عمل صالح میں ان کا ساتھ دینے والے آخرت میں بھی درجوں میں ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں ہے۔ متفق علیہ بلکہ متواتر حدیث میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جو کسی قوم سے محبت رکھے وہ ان میں سے ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث گذر چکی ہے کہ مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں فتح مکہ کے بعد مسلمان قریشی اور ثقیف کے آزاد شدہ آپس میں ایک ہیں قیامت تک یہ سب آپس میں ولی ہیں۔ پھر اولوالارحام کا بیان ہوا۔ یہاں ان سے مراد وہی قرابت دار نہیں جو علماء فرائض کے نزدیک اس نام سے یاد کیے جاتے ہیں یعنی جن کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور جو عصبہ بھی نہ ہوں جیسے خالہ ماموں پھوپھی نواسے نواسیاں بھانجے بھانجیاں وغیرہ۔

بعض کا یہی خیال ہے۔ آیت سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے اس بارے میں صراحت والی بتاتے ہیں۔ یہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسے کہ ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ حسنؒ قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ناسخ ہے۔ آپس کی قسموں پر وارث بننے کی اور بھائی چارے پر وارث بننے کی جو پہلے دستور تھا۔ پس یہ علماء فرائض کے ذوی الارحام کو شامل ہوگی خاص نام کے ساتھ۔ اور جو انہیں وارث نہیں بناتے ان کے پاس کئی دلیلیں ہیں۔ سب سے قوی یہ حدیث ہے کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دلوا دیا ہے پس کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی حقدار ہوتے تو ان کے بھی حصے مقرر ہو جاتے۔ جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔

الحمدللہ سورہ انفال کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

سُورَةُ التَّوبَة

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲

اللہ اور اس کے رسولؐ کی بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا ○ پس اے مشرکو تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو۔ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱-۲) یہ سورت سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ پر اتری ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ سب سے آخر آیت يَسْتَفْتُوْنَكَ الخ اتری اور سب سے آخری سورت سورہ براۃ اتری ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ نے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر کے اسے قرآن میں نہیں لکھا تھا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے آپ نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورہ براۃ کو جو مئین میں سے ہے ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات حضور رسول اللہ ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اترتی تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو جس میں یہ یہ ذکر ہے۔ سورہ انفال مدینہ شریف میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورہ براۃ سب سے آخر میں اتری تھی۔ بیانات دونوں کے ملتے تھے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو۔ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے

ہے۔اس لئے میں نے دونوں سورتیں متصل لکھیں اوران کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔
اس سورت کا ابتدائی حصہ اس وقت اترا جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ حج کا زمانہ تھا۔ مشرکین اپنی عادت کے مطابق حج میں آ کر بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان میں خلا ملا ہونا ناپسند فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امام بنا کر اس سال مکہ شریف روانہ فرمایا کہ مسلمانوں کو احکام حج سکھائیں اور مشرکوں میں اعلان کر دیں کہ وہ آئندہ سال سے حج کو نہ آئیں اور سورہ براۃ کا بھی عام لوگوں میں اعلان کر دیں۔ آپ کے پیچھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ کا پیغام بحیثیت آپ کی نزدیکی قرابت داری کے آپ بھی پہنچا دیں جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ۔

پس فرمان ہے کہ یہ بے تعلقی ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ اعلان اس عہد و پیمان کے متعلق ہے جن سے کوئی وقت معین نہ تھا یا جن سے عہد چار ماہ سے کم کا تھا لیکن جن کا لمبا عہد تھا۔ وہ بدستور باقی رہا۔ جیسے فرمان ہے کہ فَاَتِمُّوٓا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ ان کی مدت پوری ہونے تک تم ان سے ان کا عہد نبھاؤ۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' ہم سے جن کا عہد و پیمان ہے' ہم اس پر مقررہ وقت تک پابندی سے قائم ہیں۔ گو اس بارے میں اور اقوال بھی ہیں لیکن سب سے اچھا اور سب سے قوی قول یہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے عہد ہو چکا تھا' ان کے لئے چار ماہ کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور جن سے عہد نہ تھا' ان کے لئے حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کی حد بندی مقرر کر دی یعنی دس ذی الحجہ سے محرم ختم تک پچاس دن۔ اس مدت کے بعد حضورؐ کو ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں اور جن سے عہد ہے' وہ دس ذی الحجہ کے اعلان کے دن سے لے کر بیس ربیع الاخر تک اپنی تیاری کر لیں۔ پھر اگر چاہیں مقابلے پر آ جائیں۔ یہ واقعہ سنہ ۹ ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا اور حضرت علیؓ کو تیس یا چالیس آیتیں قرآن کی اس سورت کی دے کر بھیجا کہ آپ چار ماہ کی مدت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے ان کے ڈیروں میں گھروں میں' منزلوں میں جا جا کر یہ آیتیں انہیں سنا دیں اور ساتھ ہی سرکار نبوت کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ اس سال کے بعد حج کے لئے کوئی مشرک نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے۔ قبیلہ خزاعہ' قبلہ مدلج اور دوسرے سب قبائل کے لئے بھی یہی اعلان تھا۔ تبوک سے آ کر آپ نے حج کا ارادہ کیا تھا لیکن مشرکوں کا وہاں آنا اور ان کا ننگے ہو کر وہاں کا طواف کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔ اس لئے حج نہ کیا اور اس سال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے ذی المجاز کے بازاروں میں اور ہر گلی کوچے اور ہر ہر پڑاؤ اور میدان میں اعلان کیا کہ چار مہینے تک کی تو شرک اور مشرک کو مہلت ہے۔ اس کے بعد ہماری اسلامی تلواریں اپنا جوہر دکھائیں گی۔ بیس دن ذی الحجہ کے' محرم پورا صفر پورا اور ربیع الاول۔ پورا اور دس دن ربیع الاخر کے۔ زہری کہتے ہیں' شوال محرم تک کی ڈھیل تھی لیکن یہ قول غریب ہے اور سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی مدت شماری کیسے ہو سکتی ہے؟

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ﴿۳﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی۔ اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے' کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دے O

حج اکبر کے دن اعلان: ☆☆ (آیت:۳) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے عام اعلان ہے اور ہے بھی بڑے حج کے دن۔ یعنی عید قربان کو جو حج کے تمام دنوں میں بڑا اور افضل دن ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری الذمہ' بیزار اور الگ ہے۔ اگر اب بھی تم گمراہی اور شرک و برائی چھوڑ دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' توبہ کر لو' نیک بن جاؤ' اسلام قبول کر لو' شرک و کفر چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے نہ مانا' اپنی ضلالت پر قائم رہے تو تم نہ اب اللہ کے قبضے سے باہر ہو نہ آئندہ کسی وقت اللہ کو دبا سکتے ہو' وہ تم پر قادر ہے۔ تمہاری چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ کافروں کو دنیا میں بھی سزا کرے گا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانی والے دن ان لوگوں میں جو اعلان کے لئے بھیجے گئے تھے' بھیجا۔ ہم نے منادی کر دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی شخص ننگا ہو کر نہ کرے۔ پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ سورہ براءۃ کا اعلان کر دیں۔

پس آپ نے بھی منیٰ میں ہمارے ساتھ عید کے دن انہی احکام کی منادی کی۔ حج اکبر کا دن بقرہ عید کا دن ہے کیونکہ لوگ حج اصغر بولا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلان کے بعد حجۃ الوداع میں ایک بھی مشرک حج کو نہیں آیا تھا۔ حنین کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ پھر اس سال حضرت الصدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کے لئے روانہ فرمایا۔ پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ برات کا اعلان کر دیں۔ امیر حج حضرت علیؓ کے آنے کے بعد بھی حضرت الصدیق ہی رہے رضی اللہ عنہما۔ لیکن اس روایت میں غربت ہے۔ عمرہ جعرانہ والے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسیدؓ تھے۔ حضرت ابو بکر تو سنہ ۹ ھ میں امیر حج تھے۔ مسند کی روایت میں ہے' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' اس سال حضرت علیؓ کے ساتھ میں تھا۔ ہم نے پکار پکار کر منادی کر دی کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے۔ بیت اللہ کا طواف آئندہ سے کوئی شخص عریانی کی حالت میں نہیں کر سکے گا۔ جن کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان ہیں' ان کی مدت آج سے چار ماہ کی ہے' اس مدت کے گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ کے حج کی اجازت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' یہ منادی کرتے کرتے میرا گلا پڑ گیا۔ حضرت علیؓ کی آواز بیٹھ جانے کے بعد میں نے منادی شروع کر دی تھی۔ ایک روایت میں ہے' جس سے عہد ہے' اس کی مدت وہی ہے۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مجھے تو ڈر ہے کہ یہ جملہ کسی راوی کے وہم کی وجہ سے نہ ہو۔ کیونکہ مدت کے بارے میں اس کے خلاف بہت سی روایتیں ہیں۔ مسند میں ہے کہ براۃ کا اعلان کرنے کو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو بھیجا۔ وہ ذوالحلیفہ پہنچے ہوں گے جو آپ نے فرمایا کہ یہ اعلان تو یا میں خود کروں گا یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص کرے گا۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔[2] حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سورہ برات کی دس آیتیں جب اتریں' آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا انہیں لے جاؤ۔ اہل مکہ کو سناؤ۔ پھر مجھے یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم جاؤ۔ ابو بکرؓ سے تم ملو جہاں بھی وہ ملیں ان سے کتاب لے لینا اور مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں پڑھ سنانا۔ میں چلا۔ جحفہ میں جا کر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کتاب لے لی۔ آپ واپس لوٹے اور حضورؐ سے پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کوئی آیتیں نازل ہوئی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یا تو یہ پیغام خود آپ پہنچایئے یا اور کوئی شخص جو آپ میں سے ہو۔ اس

سند میں ضعف ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اسی وقت لوٹ آئے۔ نہیں بلکہ آپ نے اپنی سرداری میں وہ حج کرایا۔ حج سے فارغ ہو کر پھر واپس آئے جیسے کہ اور روایتوں میں صراحتاً مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ سے جب حضورؐ نے اس پیغام رسانی کا ذکر کیا تو حضرت علیؓ نے عذر پیش کیا کہ میں عمر کے لحاظ سے اور تقریر کے لحاظ سے اپنے میں کمی پاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا لیکن ضرورت اس کی ہے کہ اسے یا تو میں آپ پہنچاؤں یا تو پہنچائے۔ حضرت علیؓ نے کہا اگر یہی ہے تو لیجئے۔ میں جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ۔ اللہ تیری زبان کو ثابت رکھے اور تیرے دل کو ہدایت دے۔ پھر اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھا۔ لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کیا بات پہنچانے بھیجا تھا؟ آپ نے وہی اوپر والی چاروں باتیں بیان فرمائیں۔ مسند وغیرہ میں یہ روایت کسی طریق سے آئی ہے۔ اس میں لفظ یہ ہیں کہ جن سے معاہدہ ہے وہ جس مدت تک ہے اسی تک رہے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ حج میں حضرت صدیق اکبر کو بھیج چکے ہیں کاش کہ یہ پیغام بھی انہیں پہنچا دیتے۔ آپؐ نے فرمایا اسے تو کوئی میرے گھر والا ہی پہنچائے گا۔ اس میں ہے کہ حضرت علیؓ حضورؐ کی عضبا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ انہیں راستے میں دیکھ کر حضرت الصدیق نے پوچھا کہ سردار ہو یا ماتحت؟ فرمایا نہیں میں تو ماتحت ہوں۔ وہاں جا کر آپ نے تو حج کا انتظام کیا اور عید والے دن حضرت علیؓ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے یہ احکام پہنچائے۔ پھر یہ دونوں آپ کے پاس آئے۔ پس مشرکین میں سے جن سے عام عہد تھا ان کے لئے تو چار ماہ کی مدت ہو گئی۔ باقی جس سے جتنا عہد تھا وہ بدستور رہا۔ اور روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور مجھے ان کے پاس چالیس آیتیں سورہ برات کی دے کر بھیجا تھا۔ آپ نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا اٹھئے اور سرکار رسالت مآبؐ کا پیغام لوگوں کو سنا دیجئے۔ پس حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر ان چالیس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر لوٹ کر منیٰ میں آ کر جمرہ پر کنکریاں پھینکیں اونٹ نحر کیا۔ سر منڈوایا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ سب حاجی اس خطبے کے وقت موجود تھے۔ اس لئے میں نے ڈیروں میں خیموں میں اور پڑاؤ میں جا جا کر منادی شروع کر دی۔ میرا خیال ہے شاید اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا یہ دسویں تاریخ کا ذکر ہے حالانکہ اصل پیغام نویں کو عرفہ کے دن پہنچا دیا گیا تھا۔ ابو اسحاق کہتے ہیں میں نے ابوجحیفہ سے پوچھا کہ حج اکبر کا کون سا دن ہے؟ آپ نے فرمایا عرفے کا دن۔ میں نے کہا یہ آپ اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا صحابہؓ سے سنا ہوا۔ فرمایا سب کچھ یہی ہے۔ عطاء بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی یہی فرما کر فرماتے ہیں پس اس دن کوئی روزہ نہ رکھے۔ راوی کہتا ہے میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا۔ مدینے پہنچا اور پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ لوگوں نے کہا حضرت سعید بن مسیب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے مدینے والوں سے پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ تو انہوں نے آپ کا نام لیا تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اپنے سے ایک سو درجے بہترین شخص کو بتاؤں۔ وہ عمرو بن عمر ہیں۔ وہ اس روزے سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر فرماتے تھے۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ) اور بھی بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفے کا دن ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے عرفے کے خطبے میں فرمایا یہی حج اکبر کا دن ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بقر عید کا دن ہے۔ حضرت علیؓ یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ بقر عید والے دن اپنے سفید خچر پر سوار جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر لگام تھام لیں اور یہی پوچھا آپ نے فرمایا حج اکبر کا دن آج ہی کا دن ہے۔ لگام چھوڑ دے۔

عبداللہ بن ابی اوفی کا قول بھی یہی ہے- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنے عید کے خطبے میں فرمایا آج ہی کا دن یوم الاضحیٰ ہے- آج ہی کا دن یوم النحر ہے- آج ہی کا دن حج اکبر کا دن ہے- ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے- اور بھی بہت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ حج اکبر بقرہ عید کا دن ہے- امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے- صحیح بخاری کے حوالے سے پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے منادی کرنے والوں کو منیٰ میں عید کے دن بھیجا تھا- ابن جریر میں ہے' رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع میں جمروں کے پاس دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ٹھہرے اور فرمایا' یہی دن حج اکبر کا دن ہے- اور روایت میں ہے کہ آپ کی اونٹنی سرخ رنگ تھی- آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ جانتے بھی ہو آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا قربانی کا دن ہے- آپ نے فرمایا سچ ہے- یہی دن حج اکبر کا ہے- اور روایت میں ہے کہ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے- لوگ اس کی نکیل تھامے ہوئے تھے- آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ یہ کونسا دن ہے.. جانتے ہو؟ ہم اس خیال سے خاموش ہو گئے کہ شاید آپ اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں- آپ نے فرمایا' یہ حج اکبر کا دن نہیں؟ اور روایت میں ہے' لوگوں نے آپ کے سوال پر جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے- سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ عید کے بعد کا دن ہے- مجاہدؒ کہتے ہیں' حج کے سب دنوں کا یہی نام ہے- سفیان بھی یہی کہتے ہیں کہ جیسے یوم جمل' یوم صفین ان لڑائیوں کے تمام دنوں کا نام ہے' ایسے ہی یہ بھی ہے- حسن بصریؒ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' تمہیں اس سے کیا حاصل- یہ تو اس سال تھا جس سال حج کے امیر حضرت ابوبکر صدیق تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ابن سیرین اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں یہ وہ دن تھا جس میں رسول اللہؐ کا اور عام لوگوں کا حج ہوا-

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے ذرا سا بھی نقصان تمہیں نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو- اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ پس حرمت والے مہینوں کے گذرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو- انہیں گرفتار کرو- ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو ہاں اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو- یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

عہد نامہ کی شرط: ☆☆ (آیت: ۴) پہلے جو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں' ان کا اور اس آیت کا مضمون ایک ہی ہے- اس سے صاف ہو گیا کہ جن سے مطلقاً عہد و پیمان ہوئے تھے انہیں تو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس میں وہ اپنا جو چاہیں کر لیں اور جن سے کسی مدت تک عہد و پیمان ہو چکے ہیں' وہ سب عہد ثابت ہیں بشرطیکہ وہ لوگ معاہدے کی شرائط پر قائم رہیں- نہ مسلمانوں کو خود کوئی ایذا پہنچائیں نہ ان کے دشمنوں کی کمک اور امداد کریں- اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے پورے لوگوں سے محبت رکھتا ہے-

جہاد اور حرمت والے مہینے: ☆☆ (آیت: ۵) حرمت والے مہینوں سے مراد یہاں وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر آیت مِنۡهَآ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ الخ میں ہے۔ پس ان کے حق میں آخری حرمت والا مہینہ محرم الحرام کا ہے' ابن عباسؓ اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے لیکن اس میں ذرا تامل ہے بلکہ مراد اس سے یہاں وہ چار مہینے ہیں جن میں مشرکین کو پناہ ملی تھی کہ ان کے بعد تم سے لڑائی ہے چنانچہ خود اسی سورت میں اس کا بیان اور آیت میں آ رہا ہے۔ فرماتا ہے' ان چار ماہ کے بعد مشرکوں سے جنگ کرو' انہیں قتل کرو' انہیں گرفتار کرو جہاں بھی پاؤ پس یہ عام ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ خاص ہے۔ حرم میں لڑائی نہیں ہو سکتی جیسے فرمان ہے وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الخ یعنی مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔ چاہو قتل کرو چاہو قید کر لو۔ ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو' ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھ کر تاک لگاؤ۔ انہیں زد پر لا کر مارو۔ یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے' خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کر دو اور انہیں مجبور کر دو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں' پابند نماز ہو جائیں۔ زکوۃ دینے کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجا لائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ پھر ادنیٰ۔ پس شہادت کے بعد سب سے بڑا رکن اسلام نماز ہے جو اللہ عزوجل کا حق ہے۔ نماز کے بعد زکوۃ ہے جس کا نفع فقیروں' مسکینوں محتاجوں کو پہنچتا ہے اور مخلوق کا زبردست حق جو انسان کے ذمے ہے' ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نماز کے ساتھ ہی زکوۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے حکم کیا گیا کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھو جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ کوئی معبود بجز اللہ کے نہیں ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) رسول اللہؐ ہیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے۔ جو زکوۃ نہ دے' اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ زکوۃ ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ آپ کی فقہ سب سے بڑھی ہوئی تھی جو آپ نے زکوۃ کے منکروں سے جہاد کیا۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ برحق کے اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ان دونوں باتوں کا اقرار کر لیں' ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر لیں' ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں' ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ہم پر ان کے خون' ان کے مال حرام ہیں مگر احکام حق کے ماتحت۔ انہیں ہر وہ حق حاصل ہے جو اور مسلمانوں کا ہے اور ان کے ذمے ہر وہ چیز ہے جو اور مسلمانوں کے ذمے ہے۔ یہ روایت بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے سوائے ابن ماجہ کے۔ ابن جریر میں ہے' رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں' جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کی خالص عبادت کرتا ہو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو' تو وہ اس حال میں جائے گا کہ اللہ اس سے خوش ہو گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہی اللہ کا دین ہے۔ اسی کو تمام پیغمبر علیہم السلام لائے تھے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا تھا۔ اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں ادھر ادھر لگ جائیں' اس کی سچائی کی شہادت اللہ کی آخری وحی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ پس توبہ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد برحق کے سوا اوروں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ نماز اور زکوۃ کے پابند ہو

جائیں- اور آیت میں ہے کہ ان تینوں کاموں کے بعد وہ تمارے دینی برادر ہیں- ضحاکؒ فرماتے ہیں' یہ تلوار کی آیت ہے- اس نے ان تمام عہد و پیمان کو چاک کر دیا جو مشرکوں سے تھے-

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ برات کے نازل ہونے پر چار مہینے گزر جانے کے بعد کوئی عہد و ذمہ باقی نہیں رہا- پہلی شرطیں برابری کے ساتھ توڑ دی گئیں- اب اسلام اور جہاد باقی رہ گیا- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو چار تلواروں کے ساتھ بھیجا ایک تو مشرکین عرب میں فرماتا ہے فاقتلوا المشر کین حیث و جدتموھم مشرکون کو جہاں پاؤ قتل کرو- یہ روایت اسی طرح مختصراً ہے- میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب میں فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ' اللہ تبارک وتعالیٰ پر' قیامت کے دن پر' ایمان نہ لانے والوں اور اللہ رسولؐ کے حرام کردہ کو حرام نہ ماننے والوں اور اللہ کے سچے دین کو قبول نہ کرنے والوں سے جو اہل کتاب ہیں' جہاد کرو تاوقتیکہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں- تیسری تلوار منافقوں میں فرمان ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ الخ' اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو- چوتھی تلوار باغیوں میں ارشاد ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الخ' اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرادو- پھر بھی اگر کوئی جماعت دوسری کو دباتی چلی جائے تو ان باغیوں سے تم لڑو جب تک کہ وہ پلٹ کر اللہ کے حکم کی ماتحتی میں نہ آ جائیں- ضحاکؒ اور سدیؒ کا قول ہے کہ یہ آیت تلوار آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے منسوخ ہے یعنی بطور احسان کے یا فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو چھوڑ دو- قتادہ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ پچھلی آیت پہلی سے منسوخ ہے-

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دیا کر یہاں تک کہ وہ کلام اللہ شریف سن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے' یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے علم ہیں ۝

امن مانگنے والوں کو امن دو- منافقوں کی گردن مار دو : ☆☆ (آیت:۶) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے' ان میں سے اگر کوئی آپ سے امن طلب کرے تو آپ اس کی خواہش پوری کر دیں' اسے امن دیں یہاں تک کہ وہ قرآن کریم سن لے' آپ کی باتیں سن لے' دین کی تعلیم معلوم کر لے' حجت ربانی پوری ہو جائے پھر اپنے امن میں ہی اسے اس کے وطن پہنچا دو' بے خوفی کے ساتھ یہ اپنی امن کی جگہ پہنچ جائے' ممکن ہے کہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے' یہ اس لیے ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں انہیں دینی معلومات بہم پہنچاؤ اور اللہ کی دعوت اس کے بندوں کے کانوں تک پہنچا دو-

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو تیرے پاس دینی باتیں سننے سمجھنے کے لیے آئے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو' وہ امن میں ہے یہاں تک کہ کلام سنے' پھر جہاں سے آیا ہے' وہاں با امن پہنچ جائے' اسی لیے حضورؐ ان لوگوں کو جو دین سمجھنے اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے پیغام کو سننے کے لیے آتے' انہیں امن دے دیا کرتے تھے- حدیبیہ والے سال بھی قریش کے جتنے قاصد آئے' انہیں یہاں کوئی خطرہ نہ تھا' عروہ بن مسعود' مکرز بن حفص' سہیل بن عمرو وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے آتے رہے' یہاں آ کر انہیں وہ شان نظر آئی جو قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی نہ تھی' یہی انہوں نے اپنی قوم سے کہا' پس یہ رویہ بھی بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا- مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضورؐ کی

بارگاہ میں پہنچا' آپ نے اس سے پوچھا کیا تم مسیلمہ کی رسالت کے قائل ہو؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا' اگر قاصدوں کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعودؓ کوفہ کی کی امارت کے زمانے میں قتل کر دیا گیا' اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ ابن مسعود کو جب معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے' تو آپ نے بلوایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے سے کوئی امر مانع نہیں چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا' اللہ کی لعنت اس پر ہو۔ الغرض دارالحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کے طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادے سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہوا امام یا نائب امام نے انہیں امن وامان دے دیا ہو تو جب تک وہ دارالاسلام میں رہے یا اپنے وطن نہ پہنچ جائے' اسے قتل کرنا حرام ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو دارالاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے' زیادہ سے زیادہ وہ چار ماہ تک یہاں ٹھہر سکتا ہے' پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال بھر کے اندر دو قول امام شافعیؒ وغیرہ علماء کے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸

مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے مگر جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے' جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں' تم بھی ان سے وفاداری کرو' اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں سے محبت رکھتا ہے ○ ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ تو یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا' اپنی زبانوں سے تو تمہیں پرچا رہے ہیں لیکن دل نہیں مانتے' ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں ○

پابندیٔ عہد کی شرائط: ☆☆ (آیت: ۷) اوپر والے حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ چار ماہ کی مہلت دینے پر لڑائی کی اجازت دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شرک وکفر کو چھوڑنے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ہی نہیں' ہاں صلح حدیبیہ جب تک ان کی طرف سے نہ ٹوٹے' تم بھی نہ توڑنا۔ یہ صلح دس سال کے لیے ہوئی تھی' ماہ ذی القعدہ سنہ ۶ ہجری سے حضورؐ نے اس معاہدے کو نبھایا یہاں تک کہ قریشیوں کی طرف سے یہ معاہدہ توڑا گیا' ان کے حلیف بنو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی بلکہ حرم میں بھی انہیں قتل کیا' اس بنا پر رمضان شریف سنہ ۸ ہجری میں حضورؐ نے ان پر چڑھائی کر دی' رب العالمین نے مکہ آپ کے ہاتھوں فتح کرایا اور انہیں آپ کے بس میں کر دیا۔ وللہ الحمد والمنہ لیکن آپ نے باوجود غلبہ اور قدرت کے ان میں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا سب کو آزاد کر دیا۔ انہی لوگوں کو طلقاء کہتے ہیں یہ تقریباً دو ہزار تھے جو کفر پر پھر بھی باقی رہے اور ادھر ادھر ہو گئے' رحمتہ للعالمینؐ نے سب کو عام پناہ دے دی اور انہیں مکہ شریف میں آنے اور یہاں اپنے مکانوں میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ چار ماہ تک وہ جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں' انہی میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے پھر اللہ نے ان کی رہبری کی اور اسلام نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر اندازے کے کرنے میں اور ہر کام کے کرنے میں تعریفوں والا ہی ہے۔

کافروں کی دشمنی: ☆☆ (آیت: ۸) اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر وفریب اور ان کی دلی عداوت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ ان کی

دوستی اپنے دل میں نہ رکھیں نہ ان کے قول وقرار پر مطمئن رہیں' ان کا کفر وشرک انہیں وعدوں کی پابندی پر رہنے نہیں دیتا' یہ تو وقت کے منتظر ہیں' ان کا بس چلے تو یہ تمہیں کچھ چباڈالیں' نہ قرابت داری کو دیکھیں اور نہ وعدوں کی پاسداری کریں' ان سے جو ہو سکے' وہ تکلیف تم پر توڑیں اور خوش ہوں- آل کے معنی قرابت داری کے ہیں' ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت حسان کے شعر میں بھی یہی معنی کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ کے وقت اللہ کا بھی لحاظ نہیں کریں گے نہ کسی اور کا- یہی لفظ ال ایل بن کر جبرئیل میکائیل اور اسرافیل میں آیا ہے یعنی اس کا معنی اللہ ہے لیکن پہلا قول ہی ظاہر اور مشہور ہے اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے- مجاہد کہتے ہیں مراد عہد ہے- قتادہ کا قول ہے کہ مراد قسم ہے-

اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۹ لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ ۝۱۰ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۱۱

انہوں نے اللہ کی آیات کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے اٹک گئے' بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں ○ یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتے داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے' یہ ہیں ہی حد سے گذر جانے والے ○ اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم تو جاننے والوں کے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرما رہے ہیں ○

جہاد ہی راہ اصلاح ہے: ☆☆ (آیت:۹-۱۱) مشرکوں کی مذمت کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ترغیب جہاد دی جا رہی ہے کہ ان کافروں نے دنیائے خسیس کو آخرت نفیس کے بدلے پسند کر لیا ہے خود راہ حق سے ہٹ کر مومنوں کو بھی روک رہے ہیں' ان کے اعمال بہت ہی بد ہیں یہ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے کے ہی درپے ہیں' نہ انہیں رشتہ داری کا خیال ہے نہ معاہدے کا پاس' یہ تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں ہاں اب بھی سچی توبہ اور نماز کی پابندی انہیں تمہارا بنا سکتی ہے-

چنانچہ بزار کی حدیث میں ہے' جو دنیا کو اس حال میں چھوڑے کہ اللہ کی عبادتیں خلوص کے ساتھ کر رہا ہو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو' نماز وزکوۃ کا پابند ہو تو اللہ اس سے خوش ہو کر ملے گا- یہی اللہ کا وہ دین ہے جسے انبیاء علیہم السلام لاتے رہے اور اسی کی تبلیغ اللہ کی طرف سے وہ کرتے رہے' اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں بڑھ جائیں' اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں یعنی بتوں اور بت پرستی کو چھوڑ دیں اور نماز قائم کرنے والے اور زکوۃ ادا کرنے والے بن جائیں تو تم ان کے راستے چھوڑ دو- اور آیت میں ہے کہ پھر تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں- امام بزار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال سے تو مرفوع حدیث وہیں پر ختم ہے کہ اللہ اس سے رضا مند ہو کر ملے گا' اس کے بعد کا کلام راوی حدیث ربیع بن انس رحمتہ اللہ علیہ کا ہے- واللہ اعلم-

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿١٢﴾

اور اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ' ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں' ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں ○

وعدہ خلاف قوم کو دندان شکن جواب دو: ☆☆ (آیت:۱۲) اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمھارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور ﷺ کو گالیاں دے' دین میں عیب جوئی کرے' اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے' اسے قتل کر دیا جائے' ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں' یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے۔ ابوجہل' عتبہ' شیبہ' امیہ وغیرہ یہ سب سرداران کفر تھے۔ ایک خارجی نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ایک ہے' آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے' میں تو ان میں سے ہوں جنہوں نے کفر کے پیشواؤں کو قتل کیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' اس آیت والے اس کے بعد قتل نہیں کیے گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے' گو نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن حکماً اس میں اور سب شامل ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا منڈی ہوئی ہوگی تو تم اس شیطانی بیٹھک کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دینا' واللہ ان میں سے ایک کا قتل دوسرے ستر لوگوں کے قتل سے مجھے زیادہ پسند ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے' کفر کے اماموں کو قتل کرو (ابن ابی حاتم)۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے جو اپنی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کی فکر میں ہیں اور خود ہی اول بار تم سے چھیڑ کریں' کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایماندار رہو ○

ظالموں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچاؤ: ☆☆ (آیت:۱۳) اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو پوری طرح جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے فرما رہا ہے کہ یہ عہد شکن قسمیں توڑنے والے کفار وہی ہیں' جنہوں نے رسولؐ کو جلاوطن کرنے کی پوری ٹھان لی تھی' چاہتے تھے کہ قید کر لیں یا قتل کر ڈالیں یا دیس نکالا دے دیں' ان کے مکر سے اللہ کا مکر کہیں بہتر تھا' صرف ایمان کی بنا پر دشمنی کر کے پیغمبر کو اور مومنوں کو وطن سے خارج کرتے تھے' بھڑ بھڑا کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے تاکہ تجھے مکہ شریف سے نکال دیں' برائی کی ابتداء بھی انہی کی طرف سے ہے۔ بدر کے دن لشکر لے کر نکلے حالانکہ معلوم ہو چکا تھا کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے لیکن تاہم غرور و فخر سے اللہ کے لشکر کو شکست دینے کے ارادے سے مسلمانوں سے صف آراء ہو گئے جیسے کہ پورا واقعہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے' انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر رسول اللہؐ کے حلیفوں سے جنگ کی' بنوبکر کی بنوخزاعہ کے خلاف مدد کی اس وعدہ خلافی کی وجہ سے حضورؐ نے ان پر لشکر کشی کی' ان کی خوب سرکوبی کی اور مکہ فتح کر لیا۔ فالحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان نجس لوگوں سے خوف کھاتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو تمھارے دل میں بجز اللہ کے کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے وہی اس لائق ہے کہ ایماندار اس سے ڈرتے رہیں۔ دوسری آیت میں ہے کہ ان سے نہ ڈرو' صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو' میرا غلبہ

میری سلطنت' میری سزا' میری قدرت' میری ملکیت' بیشک اس قابل ہے کہ ہر وقت' ہر دل میری ہیبت سے لرزتا رہے' تمام کام میرے ہاتھ میں ہیں' جو چاہوں کر سکتا ہوں اور کر گذرتا ہوں' میری منشا کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا راز بیان ہو رہا ہے کہ اللہ قادر تھا جو عذاب چاہتا' ان پر بھیج دیتا لیکن یہ اس کی منشا ہے کہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے اور ان کی بربادی تم خود کرو' تمھارے دل کی بھڑاس خوب نکل جائے اور تمھیں راحت و آرام شادمانی و کامرانی حاصل ہو۔ یہ بات کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام مومنوں کے لیے بھی ہے خصوصاً خزاعہ کا قبیلہ جن کے خلاف عہد قریش اپنے حلیفوں میں مل کر چڑھ دوڑے' ان کے دل اسی وقت ٹھنڈے ہوں گے' ان کے غبار اسی وقت بیٹھیں گے جب مسلمانوں کے ہاتھوں کفار نیچے ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ غضبناک ہو جاتیں تو آپ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے اے عائشہ یہ دعا کرو اللھم رب النبی محمد اغفر ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن اے اللہ اے محمد (ﷺ) کے پروردگار' میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور کر اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچا لے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرمالے' وہ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے خوب آگاہ ہے' اپنے تمام کاموں میں' اپنے شرعی احکام میں' اپنے تمام حکموں میں حکمت والا ہے' جو چاہتا ہے کرتا ہے' جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے' وہ عادل و حاکم ہے' ظلم سے پاک ہے' ایک ذرے برابر بھلائی' برائی ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا بدلہ دنیا اور آخرت میں دیتا ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ
وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ
اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ
تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع ۱۰ ۸

ان سے تم جنگ کرو' اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب کرے گا' انہیں ذلیل اور رسوا کرے گا' تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا ○ اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کر دے گا اور جس کی طرف چاہے گا' رحمت سے توجہ فرمائے گا' اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے ○ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بناتے اور اللہ خوب خبردار ہے ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو ○

مسلمان بھی آزمائے جائیں گے: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۶) یہ ناممکن ہے کہ امتحان کے بغیر مسلمان بھی چھوڑ دیئے جائیں' سچے اور جھوٹے مسلمان کو ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے۔ وَلِيجَةً کے معنی بھیدی اور دخل دینے والے کے ہیں۔ پس سچے وہ ہیں جو جہاد میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور ظاہر و باطن میں اللہ اور رسول کی خیرخواہی اور حمایت کریں' ایک قسم کا بیان دوسری قسم کو ظاہر کر دیتا تھا اس لیے دوسری قسم کے لوگوں کا بیان چھوڑ دیا۔ ایسی عبارتیں شاعروں کے شعروں میں بھی ہیں۔ ایک جگہ قرآن کریم میں ہے کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش ہو گی ہی نہیں حالانکہ اگلے مومنوں کی بھی ہم نے آزمائش کی

یاد رکھو اللہ سچے جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کر دے گا- اور آیت میں اسی مضمون کو اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ کے لفظوں میں بیان فرمایا ہے- اور آیت میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ اللہ ایسا نہیں کہ تم مومنوں کو تمہاری حالت پر ہی چھوڑ دے اور امتحان کر کے یہ نہ معلوم کر لے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے؟ پس جہاد کے مشروع کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے' گو اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے' جو ہو گا وہ بھی اسے معلوم ہے اور جو نہیں ہوا اور جب ہو گا' تب کس طرح ہو گا یہ بھی وہ جانتا ہے' چیز کے ہونے سے پہلے ہی اسے اس کا علم ہے اور ہر چیز کی ہر حالت سے وہ واقف ہے' لیکن وہ چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا' سچا جھوٹا ظاہر کر دے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے اور نہ اس کی قضا و قدر اور ارادے کو کوئی بدل سکتا ہے-

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸

ناممکن ہے کہ مشرک اللہ کی مسجدوں کی آبادی کر لیں وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں' ان کے اعمال غارت و اکارت ہیں اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں ○ اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں' نمازوں کے پابند ہوں' زکوٰۃ دیتے ہوں' اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں پس یہی لوگ یقیناً راہ یافتہ ہیں ○

مشرکوں کو اللہ کے گھر سے کیا تعلق؟ ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو اللہ کی مسجدوں (کی تعمیر) کرنے والے بننا لائق ہی نہیں' یہ مشرک ہیں' بیت اللہ سے انہیں کیا تعلق؟ مساجد کو مسجد بھی پڑھا گیا ہے- پس مراد مسجد حرام ہے جو روئے زمین کی مسجدوں سے اشرف ہے' اول دن سے صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے' جس کی بنیادیں خلیل اللہ نے رکھی تھیں اور یہ لوگ مشرک ہیں- حال و قال دونوں اعتبار سے' تم نصرانی سے پوچھو' وہ صاف کہے گا' میں نصرانی ہوں' یہود سے پوچھو وہ اپنی یہودیت کا اقرار کریں گے' صابی سے پوچھو وہ اپنا صابی ہونا اپنی زبان سے کہے گا' اسی طرح مشرک بھی اپنے مشرک ہونے کے اقراری ہیں- ان کے اس شرک کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت ہو چکے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے ناری ہیں' یہ تو مسجد حرام سے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہی ہیں' گو یہ کہیں' لیکن یہ اللہ کے اولیاء نہیں' اولیاء اللہ تو وہ ہیں جو متقی ہوں لیکن اکثر لوگ علم سے کورے اور خالی ہوتے ہیں- ہاں بیت اللہ کی آبادی مومنوں کے ہاتھوں ہوتی ہے' پس جس کے ہاتھ سے مسجدوں کی آبادی ہو' اس کے ایمان کا قرآن گواہ ہے- مسند میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- اور حدیث میں ہے' مسجدوں کو آباد کرنے والے اللہ والے ہیں- اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم پر سے ہٹا لیتا ہے- اور حدیث میں ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کو آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے

عذاب ہٹا لیتا ہوں- ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے' جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکھری بکری کو پکڑ کر لے جاتا ہے' پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو' جماعت کو اور عوام کو اور مسجد کو لازم پکڑے رکھو- اصحاب رسول ؐ کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین پر اللہ کا گھر ہیں' جو ان میں داخل ہو اللہ کا ان پر حق ہے کہ وہ مساجد کا احترام کریں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آ کر باجماعت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی' وہ اللہ کا نافرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادی کرنے والے اللہ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں-

پھر فرمایا' نمازی بدنی عبادت' نماز کے پابند ہوتے ہیں اور مالی عبادت' زکوٰۃ کے بھی ادا کرنے والے ہوتے ہیں' ان کی بھلائی اپنے لیے بھی ہوتی ہے اور پھر عام مخلوق کے لیے بھی ہوتی ہے' ان کے دل اللہ کے سوا اور کسی سے ڈرتے نہیں' یہی راہ یافتہ لوگ ہیں' موحد' ایماندار' قرآن وحدیث کے ماتحت' پانچوں نمازوں کے پابند' صرف اللہ کا خوف کھانے والے' اس کے سوا دوسرے کی بندگی نہ کرنے والے ہی راہ یافتہ اور کامیاب اور بامقصد ہیں- یہ یاد رہے کہ بقول حضرت ابن عباسؓ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ عسیٰ ہے' وہاں یقین کے معنی میں ہے' امید کے معنی میں نہیں مثلاً فرمان ہے عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا تو مقام محمود میں پہنچانا یعنی حضورؐ کا شافع محشر ہونا یقینی چیز ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں- محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں' عسیٰ کلام اللہ میں حق ویقین کے لیے آتا ہے-

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۹

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر ایمان لائے اور راہ اللہ میں جہاد کرے' یہ اللہ کے نزدیک برابری کے نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو راہ نہیں دکھاتا ○

سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں جہاد ہے: ☆☆ (آیت:۱۹) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافروں کا قول تھا کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی سعادت ایمان وجہاد سے بہتر ہے' ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں' اس لیے ہم سے بہتر کوئی نہیں- اللہ نے ان کے فخر وغرور اور حق سے تکبر اور منہ پھیرنے کو بے نقاب کیا کہ میری آیات کی تمہارے سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم ان سے بے پرواہی سے منہ موڑ کر اپنی بات چیت میں مشغول رہتے ہو' پس تمہارا گمان بے جا' تمہارا غرور غلط' تمہارا فخر نامناسب ہے ویسے بھی اللہ کے ساتھ ایمان اور اس کی راہ میں جہاد بہت بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلے میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ اگر تمہاری کوئی نیکی ہو بھی تو اسے شرک کا کیڑا کھا جاتا ہے- پس فرماتا ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر کے نہیں' یہ تو خود کو آبادی کرنے والا کہتے تھے' اللہ نے ان کا نام ظالم رکھا' ان کی اللہ کے گھر کی خدمت بے کار کر دی گئی- کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی قید کے زمانے میں صحابہ سے کہا تھا کہ تم اگر اسلام وجہاد میں تھے تو ہم بھی اللہ کے گھر کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے- اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بے کار ہے' صحابہؓ نے جب ان پر لے دے شروع کی تو حضرت عباسؓ نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے' ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے' ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے' ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے' اس پر یہ آیت اتری- مروی ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ہوئی تھی-

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

جو لوگ ایمان لائے' ہجرت کی' راہ اللہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا' وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○ انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی' ان کے لئے وہاں دوامی نعمت ہے ○ وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں ○

مروی ہے عثمان بن طلحہ' عباس بن عبدالمطلب' علی بن ابی طالبؓ بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے' عثمانؓ نے کہا' میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں' میں اگر چاہوں' وہاں رات گذار سکتا ہوں- عباسؓ نے کہا' میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں' اگر چاہوں تو مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں- علیؓ نے کہا میں نہیں جانتا تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے' میں مجاہد ہوں' اس پر یہ پوری آیت اتری- عباسؓ نے اپنا ڈر ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زمزم کے پانی پلانے کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' نہیں تم اپنے منصب پر فائز رہو' تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے' اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے' حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر اسلام کے بعد میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں' دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا' تیسرے نے اسی طرح راہ رب کے جہاد کو کہا' حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ منبر رسول اللہؐ کے سامنے آوازیں بلند نہ کرو' یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے' جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی- اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے وعدہ کیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں خود جا کر حضورؐ سے یہ بات دریافت کروں گا-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ
ع ۸ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

اے مسلمانو دوست نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو اسلام سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے وہ پورا گنہگار ظالم ہے ○ کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا ○

ترک موالات ومودت کا حکم: ☆☆ (آیت:۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے- ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں' بہن بھائی ہوں' بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں- اور آیت میں ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو ہرگز اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں' بیٹے ہوں' بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے' انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا- بیہقی میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں' آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا' باپ بیٹے میں جنگ شروع ہوگئی' آپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اس پر آیت لَا تَجِدُ الخ نازل ہوئی-

پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر یہ رشتے اور اپنے حاصل کیے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ اور رسولؐ سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے' ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا- رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ جا رہے تھے' حضرت عمرؓ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا' حضرت عمرؓ کہنے لگے' یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے میری اپنی جان کے' حضورؐ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' اللہ کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے آپ نے فرمایا' اے عمرؓ تو مومن ہو گیا (بخاری شریف)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی' پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ○

صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے' اولاد اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں- مسند احمد اور ابو داؤد میں ہے' آپ فرماتے ہیں جب تم عینہ (بیع العینة یعنی کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا) کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور وہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ-

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا‌ ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ وَذٰ لِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰ لِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۷

پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا ○ پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی توجہ فرمائے گا اور اللہ ہے ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ○

نصرت الٰہی کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) مجاہدؒ کہتے ہیں براۃ کی یہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنا بہت بڑا احسان مومنوں پر ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے نبیؐ کے ساتھیوں کی خود امداد فرمائی' انہیں دشمنوں پر غالب کر دیا اور ایک جگہ نہیں ہر جگہ اس کی مدد شامل حال رہی' اسی وجہ سے فتح و ظفر نے کبھی ہم رکابی نہ چھوڑی' یہ صرف تائید ربانی تھی نہ کہ مال اسباب اور ہتھیار کی فراوانی اور نہ تعداد کی زیادتی - یاد کر لو حنین والے دن تمہیں ذرا اپنی تعداد کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو کیا حال ہوا؟ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے تھے' صرف چند گنتی کے لوگ ہی اللہ کے پیغمبر ﷺ کے ساتھ ٹھہرے' اسی وقت اللہ کی مدد نازل ہوئی' اس نے دلوں میں تسکین ڈال دی' یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ مدد اسی اللہ کی طرف سے ہے' اس کی مدد سے چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے گروہوں کے منہ پھیر دیئے ہیں' اللہ کی امداد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے - یہ واقعہ ہم عنقریب تفصیل وار بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ -

مسند کی حدیث میں ہے' بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد تو اپنی زیادتی کے باعث کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی' یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے' امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور یہ روایت سوائے ایک راوی کے باقی سب راویوں نے مرسل بیان کی ہے - ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے - واللہ اعلم - سنہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ماہ شوال میں جنگ حنین ہوئی تھی' جب حضورؐ فتح مکہ سے فارغ ہوئے اور ابتدائی امور سب انجام دے چکے اور عموماً مکی حضرات مسلمان ہو چکے اور انہیں آپ آزاد بھی کر چکے تو آپ کو خبر ملی کہ قبیلہ ہوازن جمع ہوا ہے اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے' ان کا سردار مالک بن عوف نصری ہے' ثقیف کا سارا قبیلہ ان کے ساتھ ہے' اسی طرح بنو جشم' بنو سعد بن بکر بھی ہیں اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی ہیں اور کچھ لوگ بنو عمرو بن عامر کے اور عون بن عامر کے بھی ہیں' یہ سب لوگ مع اپنی عورتوں اور بچوں اور گھریلو مال کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں' یہاں تک کہ اپنی بکریوں اور اونٹوں کو بھی انہوں نے ساتھ ہی رکھا - تو آپ اس لشکر کو لے کر جو آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار وغیرہ کا تھا' ان کے مقابلہ کے لئے چلے' قریباً دو ہزار نو مسلم مکی بھی آپ کے ساتھ ہو لئے' مکہ اور طائف کے درمیان کی وادی میں دونوں لشکر مل گئے اس جگہ کا نام حنین تھا - صبح سویرے منہ اندھیرے قبیلہ ہوازن جو کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے' انہوں نے بے خبری میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا بے پناہ تیر باری کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تلواریں چلانی شروع کر دیں' یہاں مسلمانوں میں دفعتاً ابتری پھیل گئی اور یہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن رسول اللہ ﷺ ان کی طرف بڑھے آپ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے -

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانور کی دائیں جانب سے نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف سے نکیل پکڑے ہوئے تھے۔ جانور کی تیزی کو یہ لوگ روک رہے تھے۔ آپ با آواز بلند اپنا نام لے کر لوگوں کو پہچان کرا رہے تھے مسلمانوں کو واپسی کا حکم فرما رہے تھے اور ندا کرتے جاتے تھے کہ اللہ کے بندو کہاں چلے' میری طرف آؤ' میں اللہ کا سچا رسول ہوں' میں نبی ہوں' جھوٹا نہیں ہوں' میں اولاد عبدالمطلب میں سے ہوں' آپ کے ساتھ اس وقت صرف اسی یا سو کے قریب صحابہؓ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عباس' حضرت علی' حضرت فضل بن عباس' حضرت ابوسفیان بن حارث' حضرت ایمن بن ام ایمن' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ آپ کے ساتھ ہی تھے۔

پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو بہت بلند آواز والے تھے' حکم دیا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے میرے صحابیوں کو آواز دو کہ وہ منہ بھاگیں' پس آپ نے یہ کہہ کر کہ اے ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والو! اے سورہ بقرہ کے حاملو! پس یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچنی تھی کہ انہوں نے ہر طرف سے لبیک لبیک کہنا شروع کیا اور آواز کی جانب لپک پڑے اور اسی وقت لوٹ کر آپ کے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ اڑ گیا تو اس نے اپنی زرہ پہن لی اور اونٹ پر سے کود گیا اور پیدل سرکار نبوتؐ میں حاضر ہو گیا۔ جب کچھ جماعت آپ کے اردگرد جمع ہو گئی' آپؐ نے اللہ سے دعا مانگنی شروع کی کہ بارالٰہی جو وعدہ تیرا میرے ساتھ ہے' اسے پورا فرما۔ پھر آپؐ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا جس سے ان کی آنکھیں اور ان کا منہ بھر گیا۔ وہ لڑائی کے قابل نہ رہے۔ ادھر مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور مسلمانوں کی باقی فوج حضورؐ کے پاس پہنچی۔ اتنی دیر میں تو انہوں نے ان کفار کو قید کر کے حضورؐ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبدالرحمٰن فہری جن کا نام یزید بن اسید ہے یا یزید بن انیس ہے اور کرز بھی کہا گیا ہے' فرماتے ہیں کہ میں اس معرکے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' دن سخت گرمی والا تھا۔ دوپہر کو ہم درختوں کے سائے تلے ٹھہر گئے۔ سورج کے ڈھلنے کے بعد میں نے اپنے ہتھیار لگا لئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں پہنچا۔ سلام کے بعد میں نے کہا' حضورؐ ہوائیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں ٹھیک ہے بلال! اس وقت بلالؓ ایک درخت کے سائے میں تھے۔ حضور کی آواز سنتے ہی پرندے کی طرح گویا اڑ کر لبيك و سعديك و انا فداوك کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا' میری سواری تیار کرو۔ اسی وقت انہوں نے زین نکالی جس کے دونوں پلے کھجور کی رسی کے تھے جس میں کوئی فخر و غرور کی چیز نہ تھی۔ جب کس چکے تو حضورؐ سوار ہوئے۔ ہم نے صف بندی کر لی' شام اور رات اسی طرح گذری۔ پھر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے جیسے قرآن نے فرمایا ہے' حضورؐ نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اے مہاجرین! میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ہوں۔ پھر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔ مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور یہ فرما کر کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں' کافروں کی طرف پھینک دی۔ اسی سے اللہ نے انہیں شکست دے دی۔ ان مشرکوں کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں یہ مٹی نہ آئی ہو۔ اسی وقت ہمیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا زمین و آسمان کے درمیان لوہا کسی لوہے کے طشت پر بج رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بھاگے ہوئے مسلمان جب ایک سو آپ کے پاس واپس پہنچ گئے' آپؐ نے اسی وقت حملہ کا حکم دے دیا۔ اول تو منادی انصار کی تھی پھر خزرج ہی پر رہ گئی۔ یہ قبیلہ لڑائی کے وقت بڑا ہی صابر تھا۔ آپؐ نے اپنی سواری پر سے میدان جنگ کا نظارہ دیکھا اور فرمایا' اب لڑائی گرما گرمی سے ہو رہی ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ نے جس کافر کو چاہا قتل کرا دیا جسے چاہا قید کرا دیا۔ اور ان کے مال اور

اولادیں اپنے نبی کو نفے میں دلادیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا' اے ابوعمارہ کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے حنین والے دن بھاگ نکلے تھے؟ آپ نے فرمایا لیکن رسول اللہ ﷺ کا قدم پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ بات یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ تیراندازی کے فن کے استاد تھے۔ اللہ کے فضل سے ہم نے انہیں پہلے ہی حملے میں شکست دے دی لیکن جب لوگ مال غنیمت پر جھک پڑے' انہوں نے موقعہ دیکھ کر پھر جو پوری مہارت کے ساتھ تیروں کی بارش برسائی تو یہاں بھگدڑ مچ گئی۔

سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کی کامل شجاعت اور پوری بہادری کا موقع تھا۔ لشکر بھاگ نکلا ہے۔ اس وقت آپ کسی تیز سواری پر نہیں جو بھاگنے دوڑنے میں کام آئے بلکہ خچر پر سوار ہیں اور مشرکوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اپنے تئیں چھپاتے نہیں بلکہ اپنا نام اپنی زبان سے پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ نہ پہچاننے والے بھی پہچان لیں۔ خیال فرمایئے کہ کس قدر ذات واحد پر آپ کا توکل ہے اور کتنا کامل یقین آپ کو اللہ کی مدد پر ہے۔ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امر رسالت کو پورا کر کے ہی رہے گا اور آپ کے دین کو دنیا کے اور دینوں پر غالب کر کے ہی رہے گا فصلوات الله و سلامه علیه ابدا۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر اور مسلمانوں کے اوپر سکینت نازل فرماتا ہے اور اپنے فرشتوں کا لشکر بھیجتا ہے جنہیں کوئی نہ دیکھتا تھا۔ ایک مشرک کا بیان ہے کہ حنین والے دن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے لگے' ایک بکری کا دودھ نکالا جائے اتنی دیر بھی ہم نے انہیں اپنے سامنے جمنے نہیں دیا' فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا یہاں تک کہ ہمیں ایک صاحب سفید خچر پر سوار نظر پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ خوبصورت نورانی چہرے والے کچھ لوگ ان کے اردگرد ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ واپس لوٹ جاؤ۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہمیں شکست ہوگئی یہاں تک کہ مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' میں بھی اس لشکر میں تھا۔ آپؐ کے ساتھ صرف اسی مہاجر و انصار رہ گئے تھے۔ ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ ہم پر اللہ نے اطمینان وسکون نازل فرما دیا تھا۔ حضورؐ اپنے سفید خچر پر سوار دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جانور نے ٹھوکر کھائی۔ آپ زین پر سے نیچے جھک گئے۔ میں نے آواز دی کہ حضورؐ اونچے ہو جایئے۔ اللہ آپ کو اونچا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا ایک مٹھی مٹی کی تو بھر دو۔ میں نے بھر دی۔ آپؐ نے کافروں کی طرف پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ پھر فرمایا مہاجر و انصار کہاں ہیں میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا۔ انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں سونتے ہوئے لپک لپک کر آ گئے۔ اب تو مشرکین کی کچھ نہ چلی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے' شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ حنین کے دن جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ہے اور آپ تنہا رہ گئے ہیں تو مجھے بدر والے دن اپنے باپ اور چچا کا مارا جانا یاد آ گیا کہ وہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کے انتقام لینے کا اس سے اچھا موقعہ اور کون سا ملے گا؟ آؤ پیغمبر کو قتل کر دو۔ اس ارادے سے میں آپ کی دائیں جانب بڑھا لیکن وہاں میں نے عباس بن عبدالمطلب کو پایا۔ سفید چاندی جیسی زرہ پہنے مستعد کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ چچا ہیں۔ اپنے بھتیجے کی پوری حمایت کریں گے چلو بائیں جانب سے جا کر اپنا کام کروں ادھر سے آیا تو دیکھا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کھڑے ہیں۔ میں نے کہا ان کے بھی چچا کے لڑکے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی کی ضرور حمایت کریں گے۔ پھر میں کاوا کاٹ کر پیچھے کی طرف آیا۔ آپ کے قریب پہنچ گیا۔ اب یہی باقی رہ گیا تھا کہ تلوار سونت کر وار کر دوں کہ میں نے دیکھا ایک آگ کا کوڑا بجلی کی طرح چمک کر مجھ پر پڑا چاہتا ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پچھلے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹا۔ اسی وقت حضورؐ نے میری جانب التفات کیا اور

فرمایا شیبہ میرے پاس آ' اللہ اس کے شیطان کو دور کر دے- اب میں نے آنکھ کھول کر جو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو واللہ آپ مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب تھے- آپ نے فرمایا شیبہ جا کافروں سے لڑ' شیبہ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں آنحضرتؐ کے ساتھیوں میں میں بھی تھا لیکن میں اسلام کی وجہ سے یا اسلام کی معرفت کی بنا پر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے کہا' واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوازن قریش پر غالب آ جائیں؟ میں آپ کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جو میں نے ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ کر کہا' یا رسول اللہ میں تو ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا ہوں' آپؐ نے فرمایا' شیبہ وہ تو سوا کافروں کے کسی کو نظر نہیں آتے- پھر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کی' یا اللہ شیبہ کو ہدایت کر' پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کیا اور یہی کہا- واللہ آپ کا ہاتھ ہٹنے سے پہلے ہی ساری دنیا سے زیادہ آپ کی محبت میں اپنے دل میں پانے لگا- حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اس غزوے میں آپؐ کے ہم رکاب تھا- میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان سے اتر رہی ہے- چیونٹیوں کی طرح اس نے میدان گھیر لیا اور اسی وقت مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے- واللہ ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ آسمانی مدد تھی- یزید بن عامر سوابی اپنے کفر کے زمانے میں جنگ حنین میں کافروں کے ساتھ تھا- بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے- ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اس موقعہ پر تمہارے دلوں کا رعب وخوف سے کیا حال تھا؟ تو وہ طشت میں کنکریاں رکھ کر بجا کر کہتے' بس یہی آواز ہمیں ہمارے دل سے آ رہی تھی' بے طرح کلیجا اچھل رہا تھا- اور دل دہل رہا تھا-

صحیح مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے- مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں الغرض کفار کو اللہ نے یہ سزا دی اور یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا- باقی ہوازن پر اللہ نے مہربانی فرمائی- انہیں توبہ نصیب ہوئی- مسلمان ہو کر خدمت مخدوم میں حاضر ہوئے- اس وقت آپ فتح مندی کے ساتھ لوٹتے ہوئے مکہ شریف جعرانہ کے قریب پہنچ چکے تھے- جنگ کو بیس دن کے قریب گذر چکے تھے اسی لئے آپؐ نے فرمایا کہ اب تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو قیدی یا مال؟ انہوں نے قیدیوں کا واپس لینا پسند کیا- ان قیدیوں کی' چھوٹوں بڑوں کی' مرد عورت کی' بالغ نابالغ کی تعداد چھ ہزار تھی- آپ نے یہ سب انہیں لوٹا دیئے ان کا مال بطور غنیمت کے مسلمانوں میں تقسیم ہوا- اور نو مسلم جو مکہ کے آزاد کردہ تھے' انہیں بھی آپ نے اس مال میں سے دیا کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے مائل ہو جائیں- ان میں سے ایک ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے- مالک بن عوف نصری کو بھی آپ نے سو اونٹ دیئے اور اسی کو اس کی قوم کا سردار بنا دیا جیسے کہ وہ تھا- اسی کی تعریف میں اسی نے اپنے مشہور قصیدے میں کہا ہے کہ میں نے تو حضرت محمد ﷺ جیسا نہ کسی اور کو دیکھا نہ سنا- دینے میں اور' بخشش وعطا کرنے میں اور' قصوروں سے درگذر کرنے میں دنیا میں آپ کا ثانی نہیں- آپ کل قیامت کے دن ہونے والے تمام امور سے مطلع فرماتے رہتے ہیں' یہی نہیں شجاعت اور بہادری میں بھی آپ بے مثل ہیں' میدان جنگ میں گرجتے ہوئے شیر کی طرح آپ دشمنوں کی طرف بڑھتے ہیں-

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ع۵ ۱۰

اے ایمان والو! مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں۔ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا۔ اپنے فضل سے اگر چاہے' اللہ علم و حکمت والا ہے ○ لڑو ان لوگوں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ جو حرام نہیں جانتے اسے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں ○

مشرکین کو حدود حرم سے نکال دو : ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اپنے پاک دین والے پاکیزگی اور طہارت والے مسلمان بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ دین کی رو سے نجس مشرکوں کو بیت اللہ شریف کے پاس نہ آنے دیں' یہ آیت سنہ ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ اسی سال آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ مجمع حج میں اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے' اس شرعی حکم کو اللہ تعالیٰ قادر و قیوم نے یوں ہی پورا کیا کہ نہ وہاں مشرکوں کو داخلہ نصیب ہوا نہ کسی نے اس کے بعد عریانی کی حالت میں اللہ کے گھر کا طواف کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ غلام اور ذمی شخص کو مستثنیٰ بتاتے ہیں۔ مسند کی حدیث میں فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ہماری اس مسجد میں اس کے بعد سوائے معاہدہ والے اور تمام غلاموں کے اور کوئی کافر نہ آئے۔ لیکن اس مرفوع سے زیادہ صحیح سند والی موقوف روایت ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصرانی کو مسلمانوں کی مسجدوں میں نہ آنے دو۔ ان کا یہ امتناعی حکم اسی آیت کے تحت تھا۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حرم سارا اس حکم میں مثل مسجد حرام کے ہے۔ یہ آیت مشرکوں کی نجاست پر بھی دلیل واثق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے' مومن نجس نہیں ہوتا۔ باقی رہی یہ بات کہ مشرکوں کا بدن اور ذات بھی نجس ہے یا نہیں' جمہور کا قول تو یہ ہے کہ نجس نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا ہے۔ بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ مشرکوں کے بدن بھی ناپاک ہیں۔

حسنؒ فرماتے ہیں جو ان سے مصافحہ کرے' وہ ہاتھ دھو ڈالے۔ اس حکم پر بعض لوگوں نے کہا کہ پھر تو ہماری تجارت کا مندا ہو جائے گا۔ ہمارے بازار بے رونق ہو جائیں گے اور بہت سے فائدے جاتے رہیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ غنی و حمید فرماتا ہے کہ تم اس بات سے نہ ڈرو' اللہ تمہیں اور بہت سی صورتوں سے دلا دے گا' تمہیں اہل کتاب سے جزیہ دلائے گا۔ اور تمہیں غنی کر دے گا۔ تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ رب جانتا ہے' اس کا حکم' اس کی ممانعت کسی نہ کسی حکمت سے ہی ہوتی ہے۔ یہ تجارت اتنے فائدے کی نہیں جتنا فائدہ وہ تمہیں جزیئے سے دیتا ہے۔ ان اہل کتاب سے جو اللہ' اس کے رسولؐ' اور قیامت کے منکر ہیں' جو کسی نبی کے صحیح معنی میں پورے متبع نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کے اور اپنے بڑوں کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' اگر انہیں اپنے نبیؐ پر' اپنی شریعت پر پورا ایمان ہوتا تو وہ ہمارے اس نبیؐ پر بھی ضرور ایمان لاتے' ان کی بشارت تو ہر نبی دیتا رہا' ان کی اتباع کا حکم ہر نبی نے دیا لیکن باوجود اس کے وہ اس اشرف الرسل کے انکاری ہیں۔

پس اگلے نبیوں کی شرع سے بھی درصل انہیں کوئی دور کا سروکار بھی نہیں۔ اسی وجہ سے ان نبیوں کا زبانی اقرار ان کے لئے بے سود ہے کیونکہ یہ سید الانبیاء افضل الرسل خاتم النبیین اکمل المرسلین سے کفر کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی جہاد کرو۔ ان سے جہاد کے حکم کی یہ پہلی آیت ہے۔ اس وقت تک آس پاس کے مشرکین سے جنگ ہو چکی تھی۔ ان میں سے اکثر توحید کے جھنڈے تلے آ چکے تھے۔ جزیرۃ العرب میں اسلام نے جگہ کر لی تھی اب یہود و نصاریٰ کی خبر لینے اور انہیں راہ حق دکھانے کا حکم ہوا۔ سنہ ۹ ہجری میں یہ حکم اترا اور آپ نے رومیوں سے جہاد کی تیاری کی لوگوں کو اپنے ارادے سے مطلع کیا مدینہ کے اردگرد کے عربوں کو آمادہ کیا اور تقریباً تیس ہزار کا لشکر لے کر روم کا رخ کیا۔ بجز منافقین کے یہاں کوئی نہ رکا سوائے بعض کے۔ موسم سخت گرم تھا پھلوں کا وقت تھا روم سے جہاد کے لئے شام کے ملک کا دور دراز کا کٹھن سفر تھا۔ تبوک تک تشریف لے گئے وہاں تقریباً بیس روز قیام فرمایا پھر اللہ سے استخارہ کر کے حالت کی تنگی اور لوگوں کی ضعیفی کی وجہ سے واپس لوٹے۔ جیسے کہ عنقریب اس کا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہو گا۔ اسی آیت سے استدلال کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جیسے مجوس ہیں چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا۔

امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمدؒ کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزیئے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کی تفصیل کی جگہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں انہیں نہ چھوڑو۔ پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت و توقیر دینی اور انہیں اوج و ترقی دینی جائز نہیں، صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہود و نصاریٰ سے سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب ان سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی سے مجبور کرو۔ یہی وجہ تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے ایسی ہی شرطیں کی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ اہل شام کو فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل و عیال کے لئے امن طلب کی۔ ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی گرجا گھر اور خانقاہ نئی نہیں بنائیں گے۔ مندر اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہیں درست نہیں کریں گے۔ ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو یا رات ہو۔ ہم ان کے دروازے رہ گذر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے شرک کا اظہار نہ کریں گے نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے مسلمانوں کی توقیر و عزت کریں گے ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں ہم ان کی زبانیں نہیں بولیں گے ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے زین والے گھوڑوں پر سواریاں نہ کریں گے تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔

انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے' شراب فروشی نہیں کریں گے' اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوا دیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے' زنار ضرور تا ڈالے رہیں گے' صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گذرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے۔

گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں باآواز بلند اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے' مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے' مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے۔ ان کے گھروں میں جھانکیں گے نہیں۔ جب یہ عہد نامہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں۔ یہ تمام شرطیں ہمیں قبول و منظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی۔ انہی شرائط پر ہمیں امن ملا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں' ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے' اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی ریس کرنے لگے' اللہ انہیں غارت کرے' کیسے پلٹائے جاتے ہیں ○

بزرگ بڑے نہیں' اللہ جل شانہ سب سے بڑا ہے: ☆☆ (آیت: ۳۰) ان تمام آیتوں میں بھی جناب باری عز و جل مومنوں کو مشرکوں' کافروں' یہودیوں اور نصرانیوں سے جہاد کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ فرماتا ہے دیکھو وہ اللہ کی شان میں کیسی گستاخیاں کرتے ہیں یہود عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اللہ اس سے پاک اور برتر و بلند ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ ان لوگوں کو حضرت عزیرؑ کی نسبت جو یہ وہم ہوا' اس کا قصہ یہ ہے کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علماء کو قتل کر دیا' ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام علم اٹھ جانے اور علماء کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے' اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گذر ہوا۔ دیکھا کہ ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کو کیا ہوگا؟ میرے کپڑوں کا کیا ہوگا؟ آپ اس کے پاس ٹھہر گئے اور اس سے فرمایا' اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ باقی ہے۔ اس پر تو کبھی نہیں موت آئے گی۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا' اے عزیر پھر تو یہ تو بتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ' اس نے کہا آپ یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے' پھر آپ سے فرمایا گیا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کرو۔ وہیں دو رکعت نماز ادا کرو' وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے۔ وہ جو کچھ کھلائیں' وہ کھا لو۔

چنانچہ آپ وہیں تشریف لے گئے۔ نہا کر نماز ادا کی۔ دیکھا کہ ایک شخص ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ منہ کھولو آپ نے منہ کھول دیا۔ انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ کے منہ میں بڑی ساری ڈالی۔ اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم بن گئے' بنی اسرائیل میں گئے۔ ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں۔ انہوں نے کہا' ہم سب آپ کے نزدیک سچے ہیں' آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے بیک وقت پوری توراۃ لکھ ڈالی۔ ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے۔ ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیر علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا۔ یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں تورات شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے' وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا۔ تو بالکل صحیح پایا۔

اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کو نصرانی اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان دونوں گروہوں کی غلط بیانی قرآن بیان فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں جو محض بے دلیل ہیں۔ جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر وضلالت میں تھے' یہ بھی انہی کے مرید ومقلد ہیں' اللہ انہیں لعنت کرے۔ حق سے کیسے بھٹک گئے؟ مسند احمد' ترمذی اور ابن جریر میں ہے کہ جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ ﷺ کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا۔ جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا۔ یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہو گئی۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ
ابۡنَ مَرۡيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی' حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم کیا گیا تھا' جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے ○

پھر حضور ﷺ نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کر دیا اور رقم بھی دی یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے پاس چلے جاؤ چنانچہ یہ مدینہ شریف آ گئے تھے۔ اپنی قوم طے کے سردار تھے۔ ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچائی۔ آپ خود ان کے پاس آئے۔ اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔

حضورؐ کی زبان مبارک سے اسی آیت اِتَّخَذُوۡۤا کی تلاوت ہو رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں سنو' ان کے کیئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء اور درویش حلال بتا دیں' اسے حلال سمجھنے لگے' یہی ان کی عبادت تھی' پھر آپؐ نے فرمایا' عدی کیا تم اس سے بے خبر ہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مان لی۔ اور اللہ کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی ادا کی۔ آپؐ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا' یہود پر غضب الٰہی اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔ [1] حضرت حذیفہ بن

یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے کہ اس سے مراد حلال وحرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' انہوں نے بزرگوں کی ماننی شروع کر دی اور اللہ کی کتاب کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اسی لئے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں حکم تو صرف یہ تھا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں' وہی جسے حرام کر دے' حرام ہے اور وہ جسے حلال فرما دے' حلال ہے۔ اسی کے فرمان شریعت ہیں' اسی کے احکام بجالانے کے لائق ہیں' اسی کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ وہ شریکوں سے اور شرک سے پاک ہے' اس جیسا اس کا شریک' اس کا نظیر' اس کا مددگار' اس کی ضد کا کوئی نہیں۔ وہ اولاد سے پاک ہے' نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

ان کی چاہت ہے کہ نور اللہ اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں O اسی نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک برا مانیں O

کفار کی دلی مذموم خواہش: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۳) فرماتا ہے کہ ہر قسم کے کافروں کا ارادہ اور چاہت یہی ہے کہ نور الٰہی بجھا دیں' ہدایت ربانی اور دین حق کو مٹا دیں تو خیال کر لو کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے آفتاب یا مہتاب کی روشنی بجھانی چاہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ لوگ بھی نور رب کے بجھانے کی چاہت میں اپنی امکانی کوشش کریں' آخر عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ ضروری بات ہے اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ دین حق' تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا ہوگا۔ تم مٹانا چاہتے ہو' اللہ اس کو بلند کرنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ کی چاہت تمہاری چاہت پر غالب رہے گی۔ تم گو ناخوش رہو لیکن آفتاب ہدایت بیچ آسمان میں پہنچ کر ہی رہے گا۔ عربی لغت میں کافر کہتے ہیں کسی چیز کے چھپا لینے والے کو اسی اعتبار سے رات کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بھی تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ دانے زمین میں چھپا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ اسی اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ حضورؐ کی سچی خبروں اور صحیح ایمان اور نفع والے علم پر مبنی یہ ہدایت ہے اور عمدہ اعمال جو دنیا و آخرت میں نفع دیں' ان کا مجموعہ یہ دین حق ہے۔ یہ تمام اور مذاہب عالم پر چھا کر رہے گا۔

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میرے لئے مشرق و مغرب کی زمین لپیٹ دی گئی میری امت کا ملک ان تمام جگہوں تک پہنچے گا۔ فرماتے ہیں تمہارے ہاتھوں پر مشرق و مغرب فتح ہوگا تمہارے سردار جہنمی ہیں۔ بجز ان کے جو متقی' پرہیزگار اور امانت دار ہوں۔ فرماتے ہیں' یہ دین تمام اس جگہ پر پہنچے گا جہاں پر دن رات پہنچیں۔ کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اللہ عزوجل اسلام کو نہ پہنچائے۔ عزیزوں کو عزیز کرے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا' اسلام کو عزت دینے والوں کو عزت ملے گی اور کفر

کو ذلت نصیب ہوگی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے تو یہ بات خود اپنے گھر میں بھی دیکھ لی۔ جو مسلمان ہوا' اسے خیر و برکت' عزت و شرافت ملی اور جو کافر رہا' اسے ذلت و نکبت' نفرت و لعنت نصیب ہوئی۔ پستی اور حقارت دیکھی اور کمینہ پن کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے۔ وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا' جنہیں عزت دینی چاہے گا' انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہوگا' وہ اسے نہیں مانیں گے لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔

حضرت عدیؓ فرماتے ہیں' میرے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ مجھ سے فرمایا۔ اسلام قبول کر' تاکہ سلامتی ملے۔ میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے دین کا تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے۔ میں نے کہا سچ؟ آپ نے فرمایا بالکل سچ۔ کیا تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا یہ تو سچ ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں۔ پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کون سی چیز روکتی ہے؟ سن صرف ایک یہی بات تجھے روک رہی ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور و ناتواں ہیں' تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہے' یہ ان سے نپٹ نہیں سکتے لیکن سن حیرہ کا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا ضرور ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر اکیلے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔

واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا۔ کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں کسریٰ بن ہرمز کے۔ تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدیؓ نے فرمایا' رسول اللہ ﷺ کا فرمان پورا ہوا۔ یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں۔ بے خوف خطر بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق کی دوسری پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوئے۔ میں خود اس فوج میں تھا جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور کسریٰ کے مخفی خزانے اپنے قبضے میں لئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری پیشین گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر ہی رہے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' دن رات کا دور ختم نہ ہوگا جب تک پھر لات و عزیٰ کی عبادت نہ ہونے لگے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا رسول اللہ آیت هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ کے نازل ہونے کے بعد سے میرا خیال تو آج تک یہی رہا کہ یہ پوری بات ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں پوری ہوگئی اور مکمل ہی رہے گی جب تک اللہ پاک کو منظور ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین ایک پاک ہوا بھیجیں گے جو ہر اس شخص کو بھی فوت کرے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ پھر وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر و خوبی نہ ہوگی۔ پس وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف پھر سے لوٹ جائیں گے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ
لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ

اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَهَا فِیۡ
سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا
فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ
هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور راہ اللہ سے روک دیتے ہیں۔ اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ کرتے ہیں اور راہ اللہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذابوں کی خبر پہنچا دے ○ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمریں داغ دی جائیں گی' یہ ہے جسے تم اپنے لئے خزانہ بنا رہے تھے' پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو ○

یہودیوں کے علماء کو احبار اور نصاریٰ کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں۔ آیت لَوۡلَا یَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ الخ' میں یہود کے علماء کو احبار کہا گیا ہے۔ نصرانیوں کے عابدوں کو رہبان اور ان کے علماء کو قسیس اس آیت میں کہا گیا ہے ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَرُهۡبَانًا آیت کا مقصود لوگوں کو برے علماء اور گمراہ صوفیوں اور عابدوں سے ہوشیار کرانا اور ڈرانا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں' جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور ہم مسلمانوں میں صوفیوں اور عابدوں میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم یقیناً اپنے سے پہلوں کی روش پر چل پڑو گے۔ ایسی پوری مشابہت ہوگی کہ ذرا بھی فرق نہ رہے گا۔ لوگوں نے پوچھا کیا یہود نصاریٰ کی روش پر؟ آپ نے فرمایا انہی کی روش پر۔ اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ فارسیوں اور رومیوں کی روش پر؟ آپ نے فرمایا اور کون لوگ ہیں؟ پس ان کے اقوال و افعال کی مشابہت سے ہر ممکن بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ اس وجاہت سے ریاست و منصب حاصل کرنا اور اس وجاہت سے لوگوں کا مال غصب کرنا چاہتے ہیں۔ احبار یہود کو زمانہ جاہلیت میں بڑا ہی رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تحفے' ہدیئے' خراج' چراغی مقرر تھی جو بغیر مانگے انہیں پہنچ جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد اسی طمع نے انہیں قبول اسلام سے روکا۔ لیکن حق کے مقابلے کی وجہ سے اس طرف سے بھی کورے رہے اور آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ذلت و حقارت ان پر برس پڑی اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ حرام خور جماعت خود حق سے رک کر اوروں کے بھی درپے رہتی تھی' حق کو باطل سے خلط ملط کر کے لوگوں کو بھی راہ حق سے روک دیتے تھے۔ جاہلوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتے کہ ہم لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ یہ صریح دھوکا ہے۔ وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں' قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔

عالموں اور صوفیوں یعنی واعظوں اور عابدوں کا ذکر کرنے کے بعد اب امیروں' دولت مندوں اور رئیسوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جس طرح یہ دونوں طبقے اپنے اندر بدترین لوگوں کو بھی رکھتے ہیں' ایسے ہی اس تیسرے طبقے میں بھی شریر النفس لوگ ہوتے ہیں۔ عموماً انہی تین طبقے کے لوگوں کا عوام پر اثر ہوتا ہے۔ عوام کی کثیر تعداد ان کے ساتھ بلکہ ان کے پیچھے ہوتی ہے۔ پس ان کا بگڑنا گویا مذہبی دنیا کا ستیاناس ہونا ہے جیسے کہ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

وھل افسد الدین الاالملوك واحبار سوء ورھبانھا

یعنی دین واعظوں، عالموں، صوفیوں اور درویشوں سے ناپاک طبقے سے ہی بگڑتا ہے۔ کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے بلکہ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو کنز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں' بغیر زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ یہ زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا۔ زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دیا۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عراک بن مالکؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول ربانی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ الخ' نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہؓ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان' شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔ مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہؓ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا' لو میں حضورؐ سے دریافت کر آتا ہوں' اپنی سواری تیز کر کے رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے کہا' پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبانؓ بھی تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کے مقرر کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں' حضرت عمرؓ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا اور سنو' میں تمہیں بہترین خزانہ بتاؤں' نیک عورت' جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجا لائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی ناموس کی حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ۔ کھیلیں۔ مجھے برا معلوم ہوا' آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں' اسے یاد رکھ لو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں' تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو۔ اللھم انی اسئلك الثبات فی الامرو العزیمة علی الرشد واسئلك شکر نعمتك واسئلك حسن عبادتك واسئلك قلبا سلیما واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خیر ما تعلم واعوذبك من شر ما تعلم واستغفر ك لما تعلم انك انت علام الغیوب یعنی یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی

والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ تیرے علم میں جو برائی ہے اور اس کی پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں - میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب جاننے والا ہے - آیت میں بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ نہ کرنے والے اور اسے بچا بچا کر رکھنے والے دردناک عذاب دیئے جائیں گے - قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو - جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ گرم پانی کا تریڑ دوزخیوں کے سروں پر بہاؤ اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اٹھاؤ - تم بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے ہو - بدلہ اس کا یہ ہے - ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ کی اطاعت سے اسے مقدم رکھے گا اسی کے ساتھ اسے عذاب ہوگا - ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ کے فرمان کو بھلا دیا تھا - آج اسی مال سے انہیں سزا دی جا رہی ہے جیسے کہ ابولہب کھلم کھلا حضورؐ کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی - قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور وہ اس میں جلتا رہے گا - یہ مال جو یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے - اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک ایک دینار و درہم اس پر آ جائے - پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا یہ نہیں ایک کے بعد ایک داغ لگے بلکہ ایک ساتھ سب کے سب - مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں - واللہ اعلم -

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدہا بن کر اس کے پیچھے لگے گا جو عضو سامنے آ جائے گا اسی کو چبا جائے گا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو اپنے بعد خزانہ چھوڑ جائے اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدہا بن کر جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے اس کے پیچھے لگے گا - یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ - آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا - پھر باقی جسم بھی - صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا - اور اس سے اس کی پیشانی پہلو اور کمر داغی جائے گی - پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا یہی حال رہے گا - پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھا دی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف - امام بخاریؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟ آپ نے فرمایا ہم شام میں تھے - وہاں میں نے آیت والذین یکنزون الخ کی تلاوت کی تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں - یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے - میں نے کہا ہمارے اور ان کے سب کے حق میں ہے - اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ - جب مدینہ پہنچا تو چاروں طرف سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا - اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا - غرض میں مدینے میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آ گیا - آخر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینے کے قریب ہی کسی صحرا میں چلے جاؤ - میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا - آپ کا خیال یہ تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے اسے جمع کر رکھنا مطلقاً حرام ہے - اسی کا آپ فتویٰ دیتے تھے اور اس کو لوگوں میں پھیلاتے تھے - اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے - اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر بڑا ہی تشدد کرتے تھے - حضرت معاویہؓ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں

لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے۔ یہ نہ مانے تو آپ نے خلافت سے شکایت کی۔

امیر المومنین نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کا حکم دیا۔ آپ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت معاویہؓ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں۔ آپ نے شام سے قبل سب ادھر ادھر راہ للہ خرچ کر ڈالیں۔ شام کو وہی صاحب جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے' وہ آئے اور کہا مجھ سے غلطی ہوگئی۔ امیر معاویہؓ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائی تھیں۔ میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں۔ وہ واپس کیجئے۔ آپ نے فرمایا' تم پر آفرین ہے' میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں۔ اچھا جب میرا مال آ جائے گا تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا۔

ابن عباسؓ بھی اس آیت کا حکم عام بتاتے ہیں۔ سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں' میں مدینے میں آیا' دیکھا کہ قریشیوں کی ایک جماعت محفل لگائے بیٹھی ہے۔ میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا کہ ایک صاحب تشریف لائے۔ میلے کچیلے' موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے بہت خستہ حالت میں اور آتے ہی کھڑے ہو کر فرمانے لگے' روپیہ پیسہ جمع کرنے والے اس سے خبردار رہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے انگارے ان کی چھاتی کی بٹنی پر رکھے جائیں گے جو کھوے کی ہڈی کے پاس ہو جائیں گے۔ پھر پیچھے کی طرف سے آگے کو سوراخ کرتے اور جلاتے ہوئے نکل جائیں گے۔ سب لوگ سر نیچا کئے بیٹھے رہے۔ کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی مڑ کر چل دیئے اور ایک ستون سے لگ کر بیٹھ گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میرے خیال میں تو ان لوگوں کو آپ کی بات بری لگی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تین دن گذرنے کے بعد میرے پاس اس میں سے کچھ بھی بچا ہوا رہے' ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے میں کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔ غالباً اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ کا یہ مذہب تھا جو آپ نے اوپر پڑھا۔ واللہ اعلم۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ کو ان کا حصہ ملا' آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات فراہم کرنا شروع کیا۔ سامان کی خرید کے بعد سات درہم بچ رہے۔ حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو تو حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اسے آپ اپنے پاس رہنے دیجئے تا کہ بوقت ضرورت کام نکل جائے یا کوئی مہمان آ جائے تو کام نہ اٹکے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ مجھ سے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے کہ جو سونا چاندی سر بند کر کے رکھی جائے' وہ رکھنے والے کے لئے آگ کا انگارا ہے۔ جب تک کہ اسے راہ للہ نہ دے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ سے فقیر بن کر مل غنی بن کر نہ مل۔ انہوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا سائل کو رد نہ کر جو ملے اسے چھپا نہ رکھ' انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکے گا۔ آپؐ نے فرمایا یہی ہے ورنہ آگ ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اہل صفہ میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ دو دینار یا دو درہم پس انداز کئے ہوئے نکلے۔ آپؐ نے فرمایا یہ آگ کے دو داغ ہیں۔ تم لوگ اپنے ساتھی کے جنازے کی نماز پڑھ لو۔ اور روایت میں ہے کہ ایک اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کی تہد کی آنٹی میں سے ایک دینار نکلا۔ آپ نے فرمایا ایک داغ آگ کا۔ پھر دوسرے کا انتقال ہوا۔ ان کے پاس سے دو دینار برآمد ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا' یہ دو داغ آگ کے ہیں' فرماتے ہیں' جو لوگ سرخ و سفید یعنی سونا چاندی چھوڑ کر مرے' ایک ایک قیراط کے بدلے ایک ایک تختی آگ کی بنائی جائے گی اور اس کے قدم سے لے کر ٹھوڑی تک اس کے جسم میں اس آگ سے داغ کئے جائیں گے۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ جس نے دینار سے دینار اور درہم سے درہم ملا کر جمع کر کے رکھ چھوڑا' اس کی کھال کشادہ کر کے پیشانی اور پہلو اور کمر پر اس سے داغ دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا' یہ ہے جسے تم اپنی جانوں کے لئے خزانہ بناتے رہے۔ اب اس کا بدلہ چکھو' اس کا راوی ضعیف کذاب و متروک ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۳۶)

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے۔ اسی دن سے کہ آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں' یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ○

احترام آدمیت کا منشور: ☆☆ (آیت:۳۶) مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول صادق ومصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت وادب والے ہیں۔ تین پے درپے ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور چوتھا رجب جو مضر کے ہاں ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے۔ آپ نے سکوت فرمایا۔ ہم سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے۔ پھر پوچھا کیا یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ جانے اور اس کا رسول' آپ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس مہینے کا نام کوئی اور رکھیں گے' آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔

پھر آپ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جاننے والے ہیں؟ آپ پھر خاموش ہو رہے اور ہمیں پھر خیال آنے لگا کہ شاید آپ کو اس کا کوئی اور ہی نام رکھنا ہے' پھر فرمایا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا' یاد رکھو تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم میں آپس میں ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسی حرمت وعزت تمہارے اس دن کی' تمہارے اس مہینہ کی تمہارے اس شہر کی' تم ابھی ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔ سنو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کرنے لگو' بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ سنو تم میں سے جو موجود ہیں' انہیں چاہئے کہ جو موجود نہیں' ان تک پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جسے وہ پہنچائے' وہ ان بعض سے بھی زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہو۔

اور روایت میں ہے کہ وسط ایام تشریق میں منیٰ میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقعہ کا یہ ذکر ہے۔ ابوحرہ رقاشی کے چچا جو صحابی ہیں' کہتے ہیں کہ اس خطبے کے وقت حضور کی ناقہ کی نکیل تھامے ہوئے تھا اور لوگوں کی بھیڑ کو روکے ہوئے تھا۔ آپ کے پہلے جملے کا یہ مطلب ہے کہ جو کمی بیشی' تقدیم تاخیر مہینوں کی جاہلیت کے زمانے کے مشرک کرتے تھے' وہ الٹ پلٹ کر اس وقت ٹھیک ہو گئی ہے۔ جو مہینہ آج ہے' وہی درحقیقت بھی ہے۔ جیسے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ یہ شہر ابتداء مخلوق سے با حرمت و با عزت ہے۔ وہ آج

بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا پس عربوں میں جو رواج پڑ گیا تھا کہ ان کے اکثر حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہیں ہوتے تھے اب کی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے حج کے موقعہ پر یہ بات نہ تھی بلکہ حج اپنے ٹھیک مہینے پر تھا۔ بعض لوگ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا لیکن یہ غور طلب قول ہے جیسے کہ ہم مع ثبوت بیان کریں گے۔ آیت اِنَّمَا النَّسِیٓءُ الخ کی تفسیر میں اس قول سے بھی زیادہ غرابت والا ایک قول بعض سلف کا یہ بھی ہے کہ اس سال یہود و نصاریٰ مسلمان سب کے حج کا دن اتفاق سے ایک ہی تھا یعنی عیدالاضحیٰ کا دن۔

☆ **فصل** ☆ شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب المشہور فی اسماء الایام والشہور میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات محارم محاریم۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان۔ اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔ ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے۔ ارتباع کہتے ہیں اقامت کو اس کی جمع اربعا ہے جیسے نصیب کی جمع انصبا۔ اور جمع اس کی اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے۔ ربیع الاخر کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی الاولی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جم جاتا تھا۔ ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچتی نہیں اس لئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالات ہر ماہ میں ہر سال یکساں نہیں ہوتے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے۔ اس کی جمع جمادیات ہے۔ جیسے حباری حباریات۔ یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔ جمادی الاول اور جمادی الاخر بھی کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخری کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔ رجب یہ ماخوذ ہے ترجیب سے ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو۔ چونکہ یہ مہینہ عظمت وعزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔ شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔ تشعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا۔

پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس کی جمع شعابینشعبانات آتی ہے۔ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں۔ رمضت الفصال اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں۔ اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ محض غلط اور ناقابل التفات قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اس کا بیان کر دیا ہے۔ شوال ماخوذ ہے شالت الابل سے۔ یہ مہینہ اونٹوں کی مستیوں کا مہینہ تھا یہ دمیں اٹھا دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا۔ اس کی جمع شواویل شواول شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ یا ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ نہ لڑائی کے لئے نکلتے نہ کسی اور سفر کے لئے۔ اس کی جمع ذوات العقدہ ہے۔ ذوالحجہ کو ذوالحجہ بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی

ماہ میں حج ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ یہ تو ان مہینوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ تھی۔ اب ہفتے کے سات دنوں کے نام اور ان ناموں کی جمع سنئے۔ اتوار کے دن کو یوم الاحد کہتے ہیں اس کی جمع احاد' اوحاد اور وحود آتی ہے۔ پیر کے دن کو اثنین کہتے ہیں۔ اس کی جمع اثانین آتی ہے۔ منگل کو ثلاثا کہتے ہیں۔ یہ مذکر بھی بولا جاتا ہے اور مونث بھی' اس کی جمع ثلاثات اور اثالث آتی ہے۔ بدھ کے دن کو اربعاء کہتے ہیں۔ جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے۔ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں۔ جمع اخمسہ' اخامس آتی ہے۔ جمعہ کو جَمُعه اور جُمْعه اور جُمَعه کہتے ہیں اس کی جمع جُمَع' اور جَمَاعَاتْ' آتی ہے۔ سنیچر یعنی ہفتے کے دن کو سبت کہتے ہیں سبت کے معنی ہیں قطع کے چونکہ ہفتے کے دنوں کی گنتی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے' اس لئے اسے سبت کہتے ہیں۔ قدیم عربوں میں ہفتے کے دن کے نام یہ تھے۔ اول' اھون' جبار' دبار' مونت' عروبہ' شبار۔ قدیم خالص عربوں کے اشعار کے عربوں میں دنوں کے نام پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان بارہ ماہ میں چار حرمت والے ہیں۔ جاہلیت کے عرب بھی انہیں حرمت والے مانتے تھے لیکن بسل نامی ایک گروہ اپنے تشدد کی بنا پر آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتے تھے۔ حضورؐ کے فرمان میں رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اضافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مہینے کو وہ رجب مہینہ شمار کرتے تھے' دراصل وہی رجب کا مہینہ عنداللہ بھی تھا جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک رجب' شعبان اور شوال کے درمیان کے مہینے کا یعنی رمضان کا نام تھا۔ پس حضورؐ نے کھول دیا کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ ان چار ذی حرمت مہینوں میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہیں کہ حاجی ذوالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت لڑائیاں' مار پیٹ' جنگ و جدال' قتل و قتال بند ہو' لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی' امن و امان' عمدگی اور شان سے ہو جائے پھر وہ ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے۔ درمیانہ سال میں رجب کو حرمت والا بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرے کی صورت میں ادا کر لیں گو دور دراز علاقوں والے ہوں' وہ بھی مہینہ بھر میں آمد و رفت کر یں یہی اللہ کا سیدھا اور سچا دین ہے۔ پس اللہ کے فرمان کے مطابق تم ان پاک مہینوں کی حرمت کرو۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچو۔ اس لئے کہ اس میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے جیسے کہ حرم شریف کا گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔

فرمان ربانی ہے کہ جو حرم میں الحاد کا ارادہ کرے' ہم اسے دردناک عذاب دیں گے۔ اس طرح سے ان محترم مہینوں میں کیا ہوا گناہ اور دنوں میں کئے ہوئے گناہوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام شافعیؒ اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ان مہینوں کے قتل کی دیت بھی سخت ہے۔ اسی طرح حرم کے اندر قتل اور ذی محرم رشتے دار کے قتل کی بھی دیت سخت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' فیھن سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔

پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں۔ ان کی بڑی عزت ہے' ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے گو ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرما لیا۔ فرشتوں میں' انسانوں میں' اپنے رسول چن لئے۔ اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرما لیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرما لیا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرما لیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن اور راتوں میں لیلۃ القدر کو۔ پس تمہیں ان

چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہئے جنہیں اللہ نے عظمت دی ہے۔ امور کی تعظیم عقل منداور فہیم لوگوں کے نزدیک اتنی ضروری ہے جتنی ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ سبحانہ نے بتائی ہے۔ ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے۔ ان میں جو کام حرام ہیں انہیں حلال نہ کرلو۔ جو حلال ہیں انہیں حرام نہ بنالو جیسے کہ اہل شرک کرتے تھے۔ یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی۔ پھر فرمایا کہ تم سب کے سب کافروں سے جہاد کرتے رہو جیسے کہ وہ سب کے سب تم میں سے برسر جنگ ہیں۔ حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا منسوخ یا محکم ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ پہلا تو یہ کہ یہ منسوخ ہے۔ یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ اس آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کہ پہلے تو فرمان ہوا کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو۔ پھر مشرکوں سے جنگ کرنے کا ذکر فرمایا۔ ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ حرمت کے مہینے بھی اس میں گئے۔ اگر یہ مہینے اس سے الگ ہوتے تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ ماہ ذوالقعدہ میں کیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جیسے کہ بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ ہوازن قبیلے کی طرف ماہ شوال میں چلے۔ جب ان کو ہزیمت ہوئی اور ان میں سے بچے ہوئے افراد بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہوئے تو آپ وہاں گئے اور چالیس دن تک محاصرہ رکھا۔ پھر بغیر فتح کئے ہوئے وہاں سے واپس لوٹ آئے۔ پس ثابت ہے کہ آپ نے حرمت والے مہینے میں محاصرہ کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شعائر الٰہیہ کو اور حرمت والے مہینوں کو حلال نہ کیا کرو۔ اور فرمان ہے حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں قصاص ہیں۔ پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ان سے ویسی ہی زیادتی کا بدلہ لو۔ اور فرمان ہے اِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ الخ حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کے بعد مشرکوں سے جہاد کرو۔ یہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ یہ ہر سال میں چار مہینے ہیں۔ نہ کہ تسیر کے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

پھر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اپنے پہلے سے جداگانہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لئے وہ مڈبھیڑ آپس میں مل کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں تم بھی اپنے سب کلمہ گو اشخاص کو لے کر ان سے مقابلہ کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی رخصت دی ہو جبکہ جملہ ان کی طرف سے ہو۔ جیسے آیت اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ میں ہے اور جیسے آیت وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ الخ میں بیان ہے کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ وہاں لڑائی نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔ یہی جواب حرمت والے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے محاصرے کا ہے کہ دراصل ہوازن اور ثقیف کے ساتھ جنگ کا یہ لڑائی تمہ تھی۔ انہوں نے ہی جنگ کی ابتداء کی تھی۔ ادھر ادھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو جمع کر کے لڑائی کی دعوت دی تھی۔

پس حضورؐ نے ان کی طرف پیش قدمی کی یہ پیش قدمی بھی حرمت والے مہینے میں نہ تھی۔ یہاں شکست کھا کر یہ لوگ طائف میں جا چھپے اور وہاں قلعہ بند ہوگئے۔ آپ اس مرکز کو خالی کرانے کے لئے اور آگے بڑھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا یا مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا ادھر محاصرہ جاری رہا۔ منجنیق وغیرہ سے چالیس دن تک ان کو گھیرے رہے الغرض اس جنگ کی ابتداء حرمت

والے مہینے میں نہیں ہوئی تھی لیکن جنگ نے طول کھینچا۔ حرمت والا مہینہ بھی آ گیا۔ جب چند دن گذر گئے۔ آپ نے محاصرہ ہٹا لیا۔ پس جنگ کا جاری رکھنا اور چیز ہے اور جنگ کی ابتداء اور چیز ہے۔ اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ واللہ اعلم۔ اب اس میں جو حدیثیں ہیں، ہم انہیں وارد کرتے ہیں۔ ہم انہیں سیرت میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

ع ۸ ۱۱

مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے۔ اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں، پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، انہیں ان کے برے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں، قوم کفار کی اللہ رہنمائی نہیں فرماتا O

احکامات دین میں ردوبدل انتہائی مذموم سوچ ہے: ☆☆ (آیت: ۳۷) مشرکوں کے کفر کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے کو اور اپنی ناپاک خواہش کو شریعت ربانی میں داخل کر کے اللہ کے دین کے احکام میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے۔ تین مہینے کی حرمت کو تو ٹھیک رکھا۔ پھر چوتھے مہینے محرم کی حرمت کو اس طرح بدل دیا کہ محرم کو صفر کے مہینے میں کر دیا اور محرم کی حرمت نہ کی۔ تاکہ بظاہر سال کے چار مہینے کی حرمت بھی پوری ہو جائے اور اصلی حرمت کے مہینے محرم میں لوٹ مار قتل و غارت بھی ہو جائے اور اس پر اپنے قصیدوں میں مبالغہ کرتے تھے اور فخریہ اپنا یہ فعل اچھالتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جنادہ بن عمرو بن امیہ کنانی۔ یہ ہر سال حج کو آتا۔ اس کی کنیت ابوثمامہ تھی۔ یہ منادی کر دیتا کہ نہ تو ابوثمامہ کے مقابلے میں کوئی آواز اٹھا سکتا ہے نہ اس کی بات میں کوئی عیب جوئی کر سکتا ہے۔ سنو پہلے سال کا صفر مہینہ حلال ہے اور دوسرے سال کا حرام۔

پس ایک سال کے محرم کی حرمت نہ رکھتے۔ دوسرے سال کے محرم کی حرمت منا لیتے۔ ان کی اسی زیادتی کفر کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ شخص اپنے گدھے پر سوار آتا اور جس سال یہ محرم کو حرمت والا بنا دیتا' لوگ اس کی حرمت کرتے اور جس سال وہ کہہ دیتا کہ محرم کو ہم نے ہٹا کر صفر میں اور صفر کو آگے بڑھا کر محرم میں کر دیا ہے' اس سال عرب میں اس ماہ محرم کی حرمت کوئی نہ کرتا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی کنانہ کے اس شخص کو علمس کہا جاتا تھا۔ یہ منادی کر دیتا کہ اس سال کی حرمت نہ منائی جائے۔ اگلے سال محرم اور صفر دونوں کی حرمت رہے گی۔ پس اس کے قول پر جاہلیت کے زمانے میں عمل کر لیا جاتا۔ اور اب حرمت کے اصلی مہینے میں جس میں ایک انسان اپنے باپ کے قاتل کو پا کر بھی اس کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتا تھا' اب آزادی سے آپس میں خانہ جنگیاں اور لوٹ مار ہوتی۔ لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ گنتی میں وہ موافقت کرتے تھے اور اس صورت میں گنتی کی موافقت بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک سال میں تین مہینے رہ جاتے ہیں اور دوسرے سال میں پانچ ماہ ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے تو حج فرض تھا ذی الحجہ کے مہینے میں لیکن مشرک ذی الحجہ کا نام محرم رکھ لیتے۔ پھر برابر گنتی گنتے جاتے اور اس حساب سے جو ذی

الحجہ آتا اس میں حج ادا کرتے۔

پھر محرم کے نام سے خاموشی برت لیتے۔ اس کا ذکر ہی نہ کرتے۔ پھر لوٹ کر صفر نام رکھ دیتے۔ پھر رجب کو جمادی الاخر پھر شعبان کو رمضان اور رمضان کو شوال ذی القعدہ کو شوال پھر ذوالقعدہ کو شوال ذی الحجہ کو ذی القعدہ اور محرم کو ذی الحجہ کہتے اور اس میں حج کرتے۔ پھر اس کا اعادہ کرتے اور دو سال تک ہر ایک مہینے میں برابر حج کرتے۔ جس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا اس سال مشرکوں کی اس گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ذو لقعدہ کا مہینہ تھا۔ آنحضور ﷺ کے حج کے موقعہ پر ٹھیک ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور اسی کی طرف آپ نے اپنے خطبے میں اشارہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ زمانہ گھوم پھر کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا جب زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے بنائے لیکن یہ قول بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس وجہ سے کہ اگر ذو لقعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کا حج ہوا تو یہ حج کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ الخ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آج کے حج اکبر کے دن مشرکوں سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہے۔ اس کی منادی حضرت صدیقؓ کے حج میں ہی کی گئی۔ پس اگر یہ حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو حج کا دن نہ فرماتا۔ اور صرف مہینوں کی تقدیم و تاخیر کو جس کا بیان اس آیت میں ہے ثابت کرنے کے لئے اس تکلیف کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ تو اس کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ مشرکین ایک سال تو محرم الحرام کے مہینے کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض ماہ صفر کو حرمت والا کر لیتے سال کے باقی مہینے اپنی جگہ رہتے۔ پھر دوسرے محرم کو حرام سمجھتے اور اس کی حرمت و عزت باقی رکھتے تاکہ سال کے چار حرمت والے مہینے جو اللہ کی طرف سے مقرر تھے ان کی گنتی میں موافقت کر لیں۔ پس کبھی تو حرمت والے تینوں مہینے جو پے در پے ہیں ان میں سے آخری ماہ محرم کی حرمت رکھتے۔ کبھی اسے صفر کی طرف موخر کر دیتے۔ رہا حضورؐ کا فرمان کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے یعنی اس وقت جو مہینہ ان کے نزدیک ہے وہی مہینہ صحیح گنتی میں بھی ہے۔ اس کا پورا بیان ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ ٹھہرے۔ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثناء بیان فرما کر فرمایا کہ مہینوں کی تاخیر شیطان کی طرف سے کفر کی زیادتی تھی کہ کافر بہکیں۔ وہ ایک سال محرم کو حرمت والا کرتے اور صفر کو حلت والا پھر محرم کو حلت والا کر لیتے۔ یہی ان کی وہ تقدیم تاخیر ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السیرت میں اس پر بہت اچھا کلام کیا ہے جو بے حد مفید اور عمدہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کام کو سب سے پہلے کرنے والا علمس حذیفہ بن عبید تھا۔ پھر قیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ پھر اس کا لڑکا عباد پھر اس کا لڑکا قلع پھر اس کا لڑکا امیہ پھر اس کا لڑکا عوف پھر اس کا لڑکا ابو ثمامہ جنادہ اسی کے زمانہ میں اشاعت اسلام ہوئی۔ عرب لوگ حج سے فارغ ہو کر اس کے پاس جمع ہوتے۔ یہ کھڑا ہو کر انہیں لیکچر دیتا اور رجب ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرتا اور ایک سال تو محرم کو حلال کر دیتا اور محرم صفر کو بنا دیتا اور ایک سال محرم کو ہی حرمت والا کہہ دیتا کہ اللہ کی حرمت کے مہینوں کی گنتی موافق ہو جائے اور اللہ کا حرام حلال بھی ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾
اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اے ایمان والوتمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلوراہ اللہ میں کوچ کروتو تم زمین پکڑ لیتے ہو' کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو' سنو زندگانی دنیا تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے ○ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا۔ تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

غزوہ تبوک اور جہاد سے گریزاں لوگوں کو انتباہ: ☆☆ (آیت:۳۹) ایک طرف تو گرمی سخت پڑ رہی تھی' دوسری طرف پھل پک گئے تھے اور درختوں کے سائے بڑھ گئے تھے۔ ایسے وقت رسول اللہ ﷺ ایک دور دراز کے سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ غزوہ تبوک میں اپنے ساتھ چلنے کے لئے سب سے فرمادیا۔ کچھ لوگ جو رہ گئے تھے' انہیں جو تنبیہہ کی گئی' ان آیتوں کا شروع اس آیت سے ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ کے جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کیوں زمین میں دھنسنے لگتے ہو۔ کیا دنیا کی ان فانی چیزوں کی ہوس میں آخرت کی باقی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہو؟ سنو دنیا کی تو آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حضورؐ نے اپنی کلمے کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اس انگلی کو کوئی سمندر میں ڈبو کر نکالے' اس پر جتنا پانی سمندر کے مقابلے میں ہے' اتنا ہی مقابلہ دنیا اور آخرت سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے' آپ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے دو لاکھ کا فرمان بھی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کے اسی جملے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ دنیا جو گذر گئی اور باقی ہے' وہ سب آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا۔ اسے دیکھ کر فرمایا' بس میرا تو دنیا میں حصہ تھا۔ میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں۔ پھر پیٹھ موڑ کر رو کر کہنے لگے' ہائے دنیا تیرا زیادہ بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی چھوٹا ہے' افسوس ہم تو دھوکے میں ہی رہے۔ پھر ترک جہاد پر اللہ تعالیٰ ڈانٹتا ہے کہ سخت دردناک عذاب ہوں گے۔ ایک قبیلے کو حضورؐ نے جہاد کے لئے بلوایا وہ نہ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔

پھر فرماتا ہے کہ اپنے دل میں اترانا مت کہ ہم رسولؐ کے مددگار ہیں' اگر تم درست نہ رہے تو اللہ تمہیں برباد کر کے اپنے رسول کا دوسرے لوگوں کو مددگار کر دے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ نہیں کہ تم نہ جاؤ تو مجاہدین جہاد کر ہی نہ سکیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ تمہارے بغیر بھی اپنے دشمنوں پر اپنے غلاموں کو غالب کر سکتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور آیت مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ الخ' یہ سب آیتیں آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الخ' سے منسوخ ہیں لیکن امام جریر رحمتہ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے نکلنے کو فرمائیں' وہ فرمان سنتے ہی اٹھ کھڑے ہو جائیں۔ فی الواقع یہ توجیہہ بہت عمدہ ہے واللہ اعلم۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا‌ ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى‌ ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝۴۰

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے اس کی مدد اس وقت کی تھی جبکہ اسے کافروں نے دیس نکالا دیا تھا۔ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے' پس جناب باری نے اپنی طرف کی تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا بھی نہیں' اس نے کافروں کی بات پست کر دی' بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے' اللہ غالب ہے۔ حکمت والا ہے ○

آغاز ہجرت: ☆☆ (آیت:۴۰) تم اگر میرے رسولؐ کی امداد و تائید چھوڑ دو تو میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ میں آپ اس کا ناصر' موید' کافی اور حافظ ہوں۔ یاد رکھو ہجرت والے سال جبکہ کافروں نے آپ کے قتل' قید یا دیس نکالا دینے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تن تنہا مکہ شریف سے بحکم الٰہی تیز رفتاری سے نکلے تھے تو کون ان کا مددگار تھا؟ تین دن غار میں گذارے تا کہ ڈھونڈنے والے مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو یہاں سے نکل کر مدینہ شریف کا راستہ لیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لحظہ بہ لحظہ گھبرا رہے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو کوئی ایذا پہنچائے۔ حضورؐ ان کی تسکین فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ابوبکر ان دو کی نسبت تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر ابن ابوقحافہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غار میں کہا کہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کو بھی دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا' ان دو کو کیا سمجھتا ہے جن کا تیسرا خود اللہ ہے۔ الغرض اس موقعہ پر جناب باری سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین نازل فرمائی۔ ابن عباسؓ وغیرہ کی یہی تفسیر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تو مطمئن اور سکون و تسکین والے تھے ہی۔ لیکن اس خاص حال میں تسکین کا از سر نو بھیجنا کچھ اس کے خلاف نہیں۔ اسی لئے اسی کے ساتھ فرمایا کہ اپنے غائبانہ لشکر اتار کر اس کی مدد فرمائی یعنی فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کلمہ کفر دبا دیا اور اپنے کلمے کا بول بالا کیا۔ شرک کو پست کیا اور توحید کو اونچا کیا۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے' دوسرا حمیت قومی کے لئے' تیسرا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے لڑ رہا ہے تو ان میں اللہ کی راہ کا مجاہد کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جو کلمہ حق کو بلند و بالا کرنے کی نیت سے لڑے وہ راہ حق کا مجاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر غالب ہے۔ جس کی مدد کرنا چاہے کرتا ہے۔ نہ اس کے سامنے کوئی روک سکے نہ اس کے ارادے کو کوئی بدل سکے۔ کون ہے جو اس کے سامنے لب ہلا سکے یا آنکھ ملا سکے۔ اس کے سب اقوال و افعال' حکمت و مصلحت' بھلائی اور خوبی سے پر ہیں۔ تعالیٰ شانہ وجد مجدہ۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۱

نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی۔ راہ رب میں اپنی مال وجان سے جہاد کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو ○

جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے: ☆☆ (آیت:۴۱) کہتے ہیں کہ سورہ براۃ میں یہی آیت پہلے اتری ہے۔ اس میں ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہادی امم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکل کھڑے ہونا چاہئے۔ اہل کتاب رومیوں سے جہاد کے لئے تمام مومنوں کو چلنا چاہئے، خواہ دل مانے یا نہ مانے۔ خواہ آسانی نظر آئے یا طبیعت پر گراں گزرے۔ ذکر ہو رہا تھا کہ کوئی بڑھاپے کا، کوئی بیماری کا عذر کر دے تو یہ آیت اتری۔ بوڑھے جوان سب کو پیغمبر کا ساتھ دینے کا عام حکم ہوا۔ کسی کا کوئی عذر نہ چلا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی اور اس حکم کی تعمیل میں سرزمین شام میں چلے گئے اور نصرانیوں سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ جان بخشنے والے اللہ کو اپنی جان سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر آئے تو فرمانے لگے ہمارے رب نے تو میرے خیال سے بوڑھے جوان سب کو جہاد کے لئے چلنے کی دعوت دی ہے۔ میرے پیارے بچو۔ میرا سامان تیار کرو۔ میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا۔ بچوں نے کہا ابا جی حضور کی حیات تک آپ نے حضور کی ماتحتی میں جہاد کیا۔ خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ خلافت فاروقی کے آپ مجاہد مشہور ہیں۔ اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی۔ آپ گھر پر آرام کیجئے۔ ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے۔ سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے۔ ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے جو سمندر کے عین درمیان روح پروردگار کو سونپ دی۔ نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد خشکی پر اترے اور آپ کو سپرد لحد کیا۔ اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضا۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے خفافاً وثقالاً کی تفسیر جوان اور بوڑھے مروی ہے۔

الغرض جوان ہوں، بوڑھے ہوں، امیر ہوں، فقیر ہوں، فارغ ہوں، مشغول ہوں، خوش حال ہوں یا تنگ دل ہوں، بھاری ہوں یا ہلکے ہوں، حاجت مند ہوں، کاری گر ہوں، آسانی والے ہوں، سختی والے ہوں، پیشہ ور ہوں یا تجارتی ہوں، قوی ہوں یا کمزور جس حالت میں بھی ہوں، بلا عذر کھڑے ہو جائیں اور راہ حق کے جہاد کے لئے چل پڑیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے طور پر ابو عمرو اوزاعی کا قول ہے کہ جب اندرون روم حملہ ہوا ہو تو مسلمان ہلکے پھلکے اور سوار چلیں۔ اور جب ان بندرگاہوں کے کناروں پر حملہ ہو تو ہلکے، بوجھل، سوار، پیدل ہر طرح نکل کھڑے ہو جائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت فَلَوْ لَا نَفَرَ الخ سے یہ حکم منسوخ ہے۔ اس پر ہم پوری روشنی ڈالیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مروی ہے کہ ایک بھاری بدن کے بڑے شخص نے آپ سے اپنا حال ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور یہ آیت اتری۔ لیکن یہ حکم صحابہؓ پر سخت گذرا۔

پھر جناب باری نے اسے آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الخ سے منسوخ کر دیا یعنی ضعیفوں، بیماروں، تنگ دست فقیروں پر جب کہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو، اگر وہ اللہ کے دین اور شرع مصطفیٰ کے حامی اور طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول غزوے سے لے کر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف وثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوا نہیں ہوتی۔ حضرت ابوراشد حرانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسود سوار سرکار رسالت مآب کو حمص میں دیکھا کہ بڈی اتر گئی ہے۔ پھر بھی ہودج میں سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں تو میں نے کہا، اب تو شریعت آپ کو معذور سمجھتی ہے۔ آپ یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا سنو، سورۃ البعوث یعنی سورہ برات ہمارے

سامنے اتری ہے جس میں حکم ہے کہ ہلکے بھاری سب جہاد کو جاؤ۔ حضرت حیان بن زید شرعی کہتے ہیں کہ صفوان بن عمرو والی حمص کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کے لئے چلے میں نے دمشق کے ایک عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھا کہ حملہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار وہ بھی آ رہے ہیں۔ ان کی بھنویں ان کی آنکھوں پر پڑ رہی ہیں۔ شیخ فانی ہو چکے ہیں۔ میں نے پاس جا کر کہا' چچا صاحب آپ تو اب اللہ کے نزدیک بھی معذور ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنی بھنویں ہٹائیں اور فرمایا بھتیجے سنو اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بھاری ہونے کی دونوں صورتوں میں ہم سے جہاد میں نکلنے کی طلب کی ہے۔ سنو جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے' وہاں اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ پھر اس پر بعد از ثابت قدمی اللہ کی رحمت برستی ہے۔ سنو اللہ کی آزمائش شکر و صبر و ذکر اللہ اور توحید خالص سے ہوتی ہے جہاد کے حکم کے بعد مالک زمین و زماں اپنی راہ میں اپنے رسولؐ کی مرضی میں مال و جان کے خرچ کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ دینوی نفع تو یہ ہے کہ تھوڑا سا خرچ ہوگا اور بہت سی غنیمت ملے گی۔ آخرت کے نفع سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے۔ وہ مجاہد کو یا تو شہید کر کے جنت کا مالک بنا دیتا ہے یا اسے سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاتا ہے۔ خود الہ العالمین کا فرمان عالی شان ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے باوجودیکہ تم اسے کترا کھا رہے ہو۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ تمہاری نہ چاہی ہوئی چیز ہی دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری چاہت کی چیز فی الواقع تمہارے حق میں بے حد مضر ہو' سنو تم تو بالکل نادان ہو اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دانا بینا ہے۔ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا' مسلمان ہو جا' اس نے کہا جی تو چاہتا نہیں' آپؐ نے فرمایا گو نہ چاہے (مسند احمد)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنۢ بَعُدَتْ
عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۴۲﴾ ع ۵ ۱۲

اگر جلد وصول ہونے والا مال اسباب ہوتا اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی' اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھانے لگیں گے کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے' یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے ○

عیار لوگوں کو بے نقاب کر دو: ☆☆ (آیت:۴۲) جو لوگ غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے اور اس کے بعد حضورؐ کے پاس آ کر اپنے جھوٹے اور بناوٹی عذر پیش کرنے لگے تھے' انہیں اس آیت میں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دراصل انہیں کوئی معذوری نہ تھی۔ اگر کوئی آسان غنیمت اور قریب کا سفر ہوتا تو یہ لالچی ساتھ ہو لیتے لیکن شام تک کے لمبے سفر نے ان کے گھٹنے توڑ دیئے' اس مشقت کے خیال نے ان کے ایمان کمزور کر دیئے۔ اب یہ آ آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اللہ کے رسول کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو بھلا ہم شرف رکابی چھوڑنے والے تھے؟ ہم تو جان و دل سے آپ کے قدموں میں حاضر ہو جاتے۔ اللہ فرماتا ہے' ان کے جھوٹ کا مجھے علم ہے۔ انہوں نے تو اپنے آپ کو غارت کر دیا۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ
صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵

اللہ تجھے معاف فرمادے۔ تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے ○ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ○ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے۔ جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں ○

نہ ادھر کے نہ ادھر کے: ☆☆ (آیت:۴۵) سبحان اللہ اللہ کی اپنے محبوب سے کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟ سخت بات کے سنانے سے پہلے ہی معافی کا اعلان سنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد رخصت دینے کا عہد بھی سورہ نور میں کیا جاتا ہے اور ارشاد عالی ہوتا ہے فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ الخ یعنی ان میں سے کوئی اگر آپ سے اپنے کسی کام اور شغل کی وجہ سے اجازت چاہے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے میں اتری ہے جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ حضورؐ سے اجازت طلبی تو کریں۔ اگر اجازت ہو جائے تو اچھا اور اگر اجازت نہ بھی دیں تو بھی ہم اس غزوے میں جائیں گے تو نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں اجازت نہ ملتی تو اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ سچے عذر والے اور جھوٹے بہانے والے کھل جاتے۔ نیک و بد میں ظاہری تمیز ہو جاتی۔ اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے۔ نافرمان باوجود اجازت نہ ملنے کے بھی نہ نکلتے۔ کیونکہ انہوں نے تو طے کر لیا تھا' حضورؐ ہاں کہیں' یا نہ کہیں ہم تو جہاد میں جانے کے نہیں۔ اس لئے جناب باری نے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سچے ایماندار لوگ راہ حق کے جہاد سے رکنے کی اجازت تجھ سے طلب کریں۔ وہ تو جہاد کو موجب قربت الٰہیہ مان کر اپنی جان و املاک کے فدا کرنے کے آرزو رزومند رہتے ہیں۔ اللہ بھی اس متقی جماعت سے بخوبی آگاہ ہے۔ بلا عذر شرعی بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت طلب کرنے والے تو بے ایمان لوگ ہیں جنہیں دار آخرت کی جزا کی کوئی امید ہی نہیں۔ ان کے دل آج تک تیری شریعت کے بارے میں شک و شبہ میں ہی ہیں' یہ حیران و پریشان ہیں۔ ایک قدم ان کا آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال نہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ یہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے' یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں۔ تو ان کے سنوارنے کا کوئی رستہ نہ پائے گا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ
اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶
لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ
يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے سامان کی تیاری کر رکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا۔ پس انہیں حرکت سے ہی روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو ○ اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے' ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

غلط گو' غلط کار کفار و منافق: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) عذر کرنے والوں کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی کئی دن گذرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہ کیا' دراصل اللہ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا۔ اس لئے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اور قدرتی طور پر ان سے کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کا ہی ساتھ دو۔ ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامرادِ اعلیٰ درجے کے بزدل' بڑے ہی ڈرپوک ہیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ ادھر کی ادھر' ادھر کی ادھر لگا بجھا کر' بات کا بتنگڑ بنا کر' آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوا دیتے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے تمہیں آپس میں ہی الجھا دیتے۔ ان کے ماننے والے' ان کے ہم خیال' ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں۔ وہ اپنے بھولے پن سے ان کی شرر انگیزیوں سے بےخبر رہتے ہیں جس کا نتیجہ مومنوں کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے۔ آپس میں شر و فساد پھیل جاتا ہے۔

مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کے حامی اور ہمدرد ہیں۔ یہ لوگ تمہاری جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور تمہاری پل پل کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جو شروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا اللہ کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعض وہ بھی ہیں جو ان کو مان لیا کرتے ہیں۔ یہ تو بہت درست ہے لیکن ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے جاسوسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے قتادہ وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے۔ اللہ نے انہیں دور ڈال دیا۔ اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کے سامنے ان کی بات مان لینے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے' محمدیؐ لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتوں تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی' سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے' غائب حاضر جو ہو چکا ہو اور ہونے والا ہو' سب اس پر روشن ہے۔ اسی لئے اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمانو! ان کا نہ نکلنا ہی غنیمت سمجھو۔ یہ ہوتے تو اور فساد و فتنہ برپا کرتے۔ نہ خود جہاد کرتے نہ کرنے دیتے۔ اس لئے فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کیئے جائیں اور یہ جھوٹے کے جھوٹے ہی رہیں۔

ایک اور آیت میں ہے کہ اگر اللہ کے علم میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزوجل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں۔ اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔ حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے' یہ اسے بجا لائیں تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ ایسی آیتیں اور بھی بہت ساری ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لئے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا باوجودیکہ وہ ناخوشی میں ہی رہے ○ ان میں سے کوئی تو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے فتنے میں نہ ڈالئے' آگاہ رہو۔ وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں' یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○

فتنہ وفساد کی آگ' منافق : ☆☆ (آیت:۴۸) اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے' مدتوں تو یہ فتنہ و فساد کی آگ سلگاتے رہے اور تیرے کام الٹ دینے کی بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں۔ مدینے میں آپ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش برسا دی۔ باہر سے وہ چڑھ دوڑے۔ اندر سے یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں توڑ دیں' ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے' ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے' بدر کے معرکے نے ان کے ہوش وحواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان ذبح کر دیئے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے۔ اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام کی موافقت کی جائے۔ دل میں جو ہے سو ہے' وقت آنے دو۔ دیکھا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔ جیسے جیسے حق کی بلندی اور توحید کا بول بالا ہوتا گیا' یہ لوگ حسد کی آگ میں جلتے گئے۔ آخر حق نے قدم جمائے' اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور یہ یونہی سینہ پیٹتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

جد بن قیس جیسے بدتمیزوں کا حشر : ☆☆ (آیت:۴۹) جد بن قیس سے حضورؐ نے فرمایا' اس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تو ہمارا ساتھ دے گا؟ تو اس نے کہا' یا رسول اللہؐ مجھے تو معاف رکھئے' میری ساری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بے طرح شیدائی ہوں۔ عیسائی عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے تو اپنا نفس روکا نہ جائے گا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس منافق نے یہ بہانہ بنایا حالانکہ وہ فتنے میں تو پڑا ہوا ہے۔ رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑنا جہاد سے منہ موڑنا یہ کیا کم فتنہ ہے؟ یہ منافق بنو سلمہ قبیلے کا رئیس اعظم تھا۔ حضورؐ نے جب اس قبیلے کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ تو انہوں نے کہا جد بن قیس جو بڑا ہی شوم اور بخیل ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بخل سے بڑھ کر اور کیا بری بیماری ہے؟ سنو اب سے تمہارا سردار نوجوان سفید اور خوبصورت حضرت بشر بن براء بن معرور ہیں۔ جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔ نہ اس سے وہ بچ سکیں نہ بھاگ سکیں نہ نجات پا سکیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ
اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ
يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

تجھے اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور تجھے کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے سے ہی درست کر لیا تھا۔ پھر تو بڑے ہی اِترتے ہوئے لوٹتے ہیں ○ تو کہہ دے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی' وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے' مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ○

بدفطرت لوگوں کا دوغلا پن: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) ان بدباطن لوگوں کی اندرونی خباثت کا بیان ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت سے' ان کی بھلائی اور ترقی سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر اللہ نہ کرے' یہاں اس کے خلاف ہوا تو بڑے شور و غل مچاتے ہیں' گا گا کر اپنی چالاکی کے افسانے گائے جاتے ہیں کہ میاں اسی وجہ سے ہم تو ان سے بچے رہے۔ مارے خوشی کے بغلیں بجانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو جواب دے کہ رنج و راحت اور ہم خود اللہ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں' وہ ہمارا مولیٰ ہے' وہ ہمارا آقا ہے' وہ ہماری پناہ ہے۔ ہم مومن ہیں اور مومنوں کا بھروسہ اسی پر ہوتا ہے۔ وہ ہمیں کافی ہے۔ بس وہ ہمارا کارساز ہے اور بہترین کارساز ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہہ دے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ہی ایک ہے' اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے' پس ایک طرف تم منتظر رہو۔ دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں ○ کہہ دے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو' قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا۔ یقیناً تم بے حکم لوگ ہو ○ کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے منکر ہیں اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں ○

شہادت ملی تو جنت' بچ گئے تو غازی: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۴) مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں۔ اگر شہادت ملی تو جنت اپنی ہے اور اگر فتح ملی تو غنیمت و اجر ہے' پس اے منافقو تم جو ہماری بابت انتظار کر رہے ہو۔ وہ انہی دو اچھائیوں میں سے ایک کا ہے اور ہم جس بات کا انتظار تمہارے بارے میں کر رہے ہیں' وہ دو برائیوں میں سے ایک کا ہے یعنی یا تو یہ کہ اللہ کا عذاب براہ راست تم پر آ جائے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر اللہ کی مار پڑے کہ قتل و قید ہو جاؤ۔ اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں۔ دیکھیں پردۂ

غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمہارے خرچ کرنے کا اللہ بھوکا نہیں۔ تم خوشی سے دو تو اور ناراضگی سے دو تو' وہ تو قبول فرماتا نہیں' اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو۔ تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث تمہارا کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے۔ ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں۔ نماز کو آتے ہو تو بھی بجھے دل سے' گرتے مرتے پڑتے سست اور کاہل ہو کر۔ دیکھا دیکھی مجمع میں دو چار دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے' دل کی تنگی سے۔ صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ نہیں تھکتا لیکن تم تھک جاؤ' اللہ پاک ہے۔ وہ پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ متقیوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں' تم فاسق ہو۔ تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵

تو ان کے مال و اولاد سے تعجب میں نہ پڑ' اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں ○

کثرت مال و دولت عذاب بھی ہے: ☆☆ (آیت: ۵۵) ان کے مال و اولاد کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہ دیکھ۔ ان کی دنیا کی اس ہیرا پھیری کی کوئی حقیقت نہ گن' یہ ان کے حق میں کوئی بھلی چیز نہیں۔ یہ تو ان کے لئے دینوی سزا بھی ہے کہ نہ اس میں سے زکوۃ نکلے نہ اللہ کے نام خیرات ہو۔

قتادہؒ کہتے ہیں' یہاں مطلب مقدم و موخر ہے یعنی تجھے ان کی مال و اولاد اچھے نہ لگنے چاہئیں۔ اللہ کا ارادہ اس سے انہیں اس حیات دنیا میں ہی سزا دینے کا ہے۔ پہلا قول حضرت حسن بصیرؒ کا ہے۔ وہی اچھا اور قوی ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اس میں یہ ایسے پھنسے رہیں گے کہ مرتے دم تک راہ ہدایت نصیب نہیں ہو گی۔ یوں ہی بتدریج پکڑ لئے جائیں گے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔ یہی حشمت' وجاہت' مال و دولت جہنم کی آگ بن جائے گا۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹

ع ۷

یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں' حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں ○ اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سر گھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر الٹے بھاگ چھوٹیں ○ ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں تجھ پر عیب رکھتے ہیں' اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے ○ اگر یہ لوگ اللہ رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی' ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں ○

جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی حقیقت: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) ان کی تنگ دلی' ان کی غیر مستقل مزاجی' ان کی سراسیمگی' پریشانی' گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا یہ حال ہے کہ تمہارے پاس آ کر تمہارے دل میں گھر کرنے کے لئے اور تمہارے ہاتھوں سے بچنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی زبردست قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہم تمہارے ہیں' ہم مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ یہ صرف خوف وڈر ہے جو ان کے پیٹ میں درد پیدا کر رہا ہے۔ اگر آج انہیں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قلعہ مل جائے' اگر آج یہ کوئی محفوظ غار دیکھ لیں یا کسی اچھی سرنگ کا پتہ انہیں چل جائے تو یہ تو سارے کے سارے دم بھر میں اس طرف دوڑ جائیں' تیرے پاس ان میں سے ایک بھی نظر نہ آئے کیونکہ انہیں تجھ سے کوئی محبت یا انس تو نہیں ہے۔ یہ تو صرف مجبوری اور خوف کی بنا پر تمہاری چاپلوسی کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی کر رہا ہے۔ یہ جھکتے چلے جا رہے ہیں' مومنوں کی ہر خوشی سے یہ جلتے تڑپتے ہیں۔ ان کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ موقعہ مل جائے تو آج بھاگ جائیں۔

مال ودولت کے حریص منافق: ☆☆ (آیت:۵۸-۵۹) بعض منافق آنحضرت ﷺ پر تہمت لگاتے ہیں کہ آپ مال زکوۃ کو صحیح تقسیم نہیں کرتے وغیرہ۔ اور ان سے ان کا ارادہ سوائے اپنے نفع کے حصول کے اور کچھ نہ تھا۔ انہیں کچھ مل جائے تو راضی راضی ہیں۔ اگر اتفاق سے یہ رہ جائیں تو بس ان کے نتھنے پھولے جاتے ہیں۔ حضورؐ نے مال زکوۃ جب ادھر ادھر تقسیم کر دیا تو انصار میں سے کسی نے ہانک لگائی کہ یہ عدل نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ ایک نومسلم صحرائی حضور کو سونا چاندی بانٹتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اللہ نے تجھے عدل کا حکم دیا ہے تو تو عدل نہیں کرتا۔ آپؐ نے فرمایا' تو تباہ ہو۔ اگر میں بھی عادل نہیں تو زمین پر اور کون عادل ہوگا؟ پھر آپؐ نے فرمایا' اس سے اور اس جیسوں سے بچو۔ میری امت میں ان جیسے لوگ ہوں گے' قرآن پڑھیں گے لیکن حلق سے نہیں اترے گا' وہ جب نکلیں' انہیں قتل کر ڈالو پھر نکلیں تو مار ڈالو پھر جب ظاہر ہوں' پھر گردنیں مارو۔ آپؐ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم نہ میں تمہیں دوں نہ تم سے روکوں۔ میں تو ایک خازن ہوں۔ جنگ حنین کے مال غنیمت کے وقت ذوالخویصرہ ہرقوص نامی ایک شخص نے حضورؐ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا تو عدل نہیں کرتا۔ انصاف سے کام کر' آپؐ نے فرمایا' اگر میں عدل نہ کروں تو پھر تیری بربادی کہیں نہیں جا سکتی۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپؐ نے فرمایا' اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جن کی نمازوں کے مقابلے میں تمہاری نمازیں حقیر معلوم ہوں گی اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تم میں سے ہر ایک کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ تمہیں جہاں بھی مل جائیں' ان کے قتل میں کمی نہ کرو' آسمان تلے ان مقتولوں سے بدتر مقتول اور کوئی نہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ انہیں رسول کے ہاتھوں جو کچھ بھی اللہ نے دلوا دیا تھا اگر یہ اس پر قناعت کرتے' صبر و شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے' وہ اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں ہمیں اور بھی دلوائے گا۔ ہماری امیدیں ذات الٰہی سے ہی وابستہ ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ پس ان میں اللہ کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دے' اس پر انسان کو صبر و شکر کرنا چاہیے۔ توکل ذات واحد پر رکھے' اسی کو کافی وافی سمجھے رغبت اور توجہ' لالچ اور امید اور توقع اس کی ذات پاک سے رکھے۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی اطاعت میں سرمو فرق نہ کرے

اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرے کہ جو احکام ہوں' انہیں بجالانے اور جو منع کام ہوں' انہیں چھوڑ دینے اور جو خبریں ہوں' انہیں مان لینے اور صحیح اطاعت کرنے میں وہ رہبری فرمائے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؀۶۰

صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور راہ اللہ میں اور راہ رو مسافروں کے لئے' فرض ہے اللہ کی طرف سے' اللہ علم و حکمت والا ہے O

زکوٰۃ اور صدقات کا مصرف نبی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے تحت ہے؟ ☆☆ (آیت: ۶۰) اوپر کی آیت میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا جو ذات رسول پر تقسیم صدقات میں اعتراض کر بیٹھتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں بیان فرمادیا کہ تقسیم زکوٰۃ پیغمبر کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے۔ ہم نے خود اس کی تقسیم کر دی ہے۔ کسی اور کے سپرد نہیں کی۔ ابوداؤد میں ہے' زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک شخص نے آن کر آپ سے سوال کیا کہ مجھے صدقے میں کچھ دلوایئے' آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نبی' غیر نبی کسی کے حکم پر تقسیم زکوٰۃ کے بارے میں راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود اس نے تقسیم کر دی ہے۔ آٹھ مصرف مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی میں ہے تو میں تجھے دے سکتا ہوں۔ امام شافعیؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم ان آٹھوں قسم کے تمام لوگوں پر کرنی واجب ہے اور امام مالکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ واجب نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک کو ہی دے دینا کافی ہے۔ گو اور قسم کے لوگ بھی ہوں۔ عام اہل علم کا قول یہی ہے کہ آیت میں بیان مصرف ہے نہ کہ ان سب کو دینے کے وجوب کا ذکر۔ ان اقوال کی دلیلوں اور مناظروں کی جگہ یہ کتاب نہیں۔ واللہ اعلم۔ فقیروں کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حاجت بہت سخت ہے۔ گو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی برے حال والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو' اسی کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو' گرا پڑا ہو' گو کچھ کھاتا کماتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں۔ اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے۔ اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں' فقیر وہ ہے جو سوال سے بچنے والا ہو اور مسکین وہ ہے جو سائل ہو۔ لوگوں کے پیچھے لگنے والا اور گھروں اور گلیوں میں گھومنے والا۔ قتادہ کہتے ہیں' فقیر وہ ہے جو بیماری والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں' مراد اس سے مہاجر فقراء ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں۔ یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں' مسلمانو فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔ اب وہ حدیثیں سنئے جو ان آٹھوں قسموں کے متعلق ہے۔ فقراء۔ حضور فرماتے ہیں' صدقہ مال دار پر اور تندرست' توانا پر حلال نہیں۔ کچھ شخصوں نے حضور سے صدقے کا مال مانگا۔ آپ نے بغور نیچے سے اوپر تک انہیں ہٹا کٹا' قوی' تندرست دیکھ کر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہیں دے دوں مگر امیر شخص کا اور قوی طاقت اور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مساکین، حضورؐ فرماتے ہیں مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے، ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے نہ اپنی ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔ صدقہ وصول کرنے والے یہ تحصیل دار ہیں۔ انہیں اجرت اسی مال سے ملے گی۔

آنحضرت ﷺ کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے، اس عہدے پر نہیں آسکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصولی کا عامل بنا دیجئے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔ جن کے دل بہلائے جاتے ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں جیسے کہ حضورؐ نے صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا حالانکہ وہ اس وقت کفر کی حالت میں حضورؐ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ آپ کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپؐ کی سب سے زیادہ محبت پیدا کر دی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپؐ کا میں ہی تھا۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے۔ جیسے کہ حضورؐ نے حنین والے دن مکہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک کو دیتا ہوں۔ دوسرے کو جو اس سے زیادہ میرا محبوب ہے، نہیں دیتا اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گر پڑے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے یمن سے کچا سونا مٹی سمیت آپؐ کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا۔ اقرع بن حابس، عینیہ بن بدر، عقلمہ بن علاچہ اور زید خیر اور فرمایا 'میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں دے رہا ہوں۔ بعض کو اس لئے بھی دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائے یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھے اور انہیں اسلامیوں پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دے۔ ان سب کی تفصیل کی جگہ احکام وفروع کی کتابیں ہیں نہ کہ یہ تفسیر۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر اور عامر شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے۔ مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگان اللہ ان کے ماتحت ہیں۔ لیکن اور بزرگوں کا قول ہے کہ اب بھی مولفتہ القلوب کو زکوۃ دینی جائز ہے۔ فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد بھی حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ان لوگوں کو مال دیا۔ دوسرے یہ کہ اب بھی ایسی ضرورتیں پیش آجایا کرتی ہیں۔ آزادگی گردن کے بارے میں بہت سے بزرگ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ غلام ہیں جنہوں نے رقم مقرر کر کے اپنے مالکوں سے اپنی آزادگی کی شرط کر لی ہے۔ انہیں مال زکوۃ سے رقم دی جائے کہ وہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ اور بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ غلام جس نے یہ شرط نہ لکھوائی ہو، اسے بھی مال زکوۃ سے خرید کر آزاد کرنے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ غرض مکاتب غلام اور محض غلام دونوں کی آزادگی زکوۃ کا ایک مصرف ہے، احادیث میں بھی اس کی بہت کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ فرمایا ہے کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی۔ اس لئے کہ ہر نیکی کی جزا اسی جیسی ہوتی ہے۔

قرآن فرماتا ہے تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم نے کیا ہوگا۔ حدیث میں ہے، تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کے ذمے حق ہے۔ وہ غازی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو، وہ مکاتب غلام اور قرض دار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو، وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو۔ کسی نے حضورؐ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپؐ نے فرمایا

نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔ اس نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں تسمہ کی آزادگی یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کر دے۔ اور گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں جو تجھ سے ہو سکے مدد کرے۔ قرض دار کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر لے لے کسی کے قرض کا اپنا ضامن بن جائے۔ پھر اس کا مال ختم ہو جائے یا وہ خود قرض دار بن جائے یا کسی نے برائی پر قرض اٹھایا ہو اور اب وہ توبہ کر لے۔ پس انہیں بھی مال زکوٰۃ دیا جائے گا کہ یہ قرض ادا کر دیں۔ اس مسئلے کی اصل قبیصہ بن مخارق ہلالی کی یہ روایت ہے کہ میں نے دوسرے کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا۔ پھر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تم ٹھہرو ہمارے پاس مال صدقہ آئے گا۔ ہم اس میں سے تمہیں دیں گے۔ پھر فرمایا قبیصہ سن۔ تین قسم کے لوگوں کو ہی سوال حلال ہے۔ ایک تو وہ جو ضامن پڑے' پس اس رقم کے پورا ہونے تک اسے سوال جائز ہے۔ پھر سوال نہ کرے۔ دوسرا وہ جس کا مال کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو جائے' اسے بھی سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ ضرورت پوری ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گذرنے لگے اور اس کی قسم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گذرنے لگے ہیں۔ اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامان زندگی مہیا ہو جائے۔ ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے۔ اگر وہ مانگ کر' کچھ لے کر کھائیں گے تو حرام کھائیں گے (مسلم شریف) ایک شخص نے زمانہ نبویؐ میں ایک باغ خریدا' قدرت الٰہی سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا۔ اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے' لے لو۔ اس شخص کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں۔ (مسلم)

آپ فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کر دی جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ یا اللہ تجھے خوب علم ہے۔ میں نے نہ اس کی رقم کھائی نہ پی نہ اڑائی بلکہ میرے ہاں مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میرا بندہ سچا ہے۔ آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر ان کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنے فضل و رحمت سے جنت میں لے جائے گا (مسند احمد) راہ الٰہی میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ حج بھی راہ الٰہی میں داخل ہے۔ مسافر جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو یا اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو اسے بھی سفر خرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے جو اسے آمد و رفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے۔ بجز پانچ قسم کے مالداروں کے ایک تو وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو۔ دوسرا وہ جو مال کی زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے۔ تیسرا قرض دار' چوتھا راہ الٰہی کا غازی مجاہد۔ پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اسے ملی ہو دے۔ اور روایت میں ہے زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو یا سفر میں ہو اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفے ہدیئے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔ زکوٰۃ کے ان آٹھوں مصارف کو بیان فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی مقدر ہے۔ اللہ کی تقدیر' اس کی تقسیم اور اس کا فرض کرنا۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کا عالم ہے۔ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ وہ اپنے قول' فعل شریعت اور حکم میں حکمت والا ہے۔ بجز اس کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں نہ اس کے سوا کوئی کسی کا پالنے والا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ
قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہلکے کان کا ہے' تو کہہ دے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لئے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں' یہ ان کے لئے رحمت ہے' رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں' ان کے لئے دکھ کی مار ہے ○ محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے ○ کیا یہ نہیں جانتے؟ کہ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے' اس کے لئے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے' یہ ہے زبردست رسوائی ○

نکتہ چین منافقوں کا مقصد: ☆☆ (آیت:۶۱) منافقوں کی ایک جماعت بڑی موذی ہے۔ اپنی باتوں سے اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ پہنچاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نبی تو کانوں کا بڑا ہی کچا ہے' جس سے جو سنا' مان لیا' جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور قسمیں کھائیں گے' وہ ہماری بات کا یقین کر لے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بہتر کانوں والا' بہترین سننے والا ہے' وہ صادق و کاذب کو خوب جانتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں مانتا ہے' اور باایمان لوگوں کی سچائی بھی جانتا ہے۔ وہ مومنوں کے لئے رحمت ہے اور بے ایمانوں کے لئے اللہ کی حجت ہے۔ رسولؐ کے ستانے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نادان اور کوڑ مغز کون؟ ☆☆ (آیت:۶۲-۶۳) واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقل مند' دانا اور تجربہ کار ہیں۔ اگر محمد (ﷺ) کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بیوقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے۔ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابیؓ نے سن لی اور اس نے کہا واللہ' حضورؐ کی سب باتیں بالکل سچی ہیں اور نہ ماننے والوں کی بے وقوفی اور کوڑ مغز ہونے میں کوئی شک ہی نہیں۔ جب یہ صحابی دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے۔ اس صحابیؓ نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا۔ اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے مخالف ابدی جہنمی ہیں۔ ذلت و رسوائی' عذاب دوزخ بھگتنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر شومی طالع' اس سے زیادہ رسوائی' اس سے بڑھ کر شقاوت اور کیا ہوگی؟

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ
بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا
تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ
عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

منافقوں کو ہروقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انہیں بتلا دے کہہ دے کہ تم مذاق اڑاتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو ○ اگر تو ان سے پوچھے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے' تو کہہ دے کہ کیا اللہ' اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں ○ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے' اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگذر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے ○

نبی اکرم ﷺ سے گھبراتے بھی ہیں: ☆☆ (آیت:۶۴) آپس میں بیٹھ کر باتیں تو گانٹھ لیتے لیکن پھر خوف زدہ رہتے کہ کہیں اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے۔ اور آیت میں ہے تیرے سامنے آ کر وہ دعائیں دیتے ہیں جو اللہ نے نہیں دیں۔ پھر اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں فرماتا ہے' دینی باتوں اور مسلمانوں کی حالت پر دل کھول کر مذاق اڑا لو۔ اللہ بھی وہ راز افشاء کر دے گا جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یاد رکھو ایک دن رسوا اور ذلیل ہو کر رہو گے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی بدیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی۔ ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب و لہجے سے ہی انہیں پہچان لے گا۔ اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی۔

مسلمان باہم گفتگو میں محتاط رہا کریں: ☆☆ (آیت:۶۵-۶۶) ایک منافق کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہ قرآن خواں لوگ بڑے شکم دار' شیخی باز اور بڑے فضول اور بزدل ہیں۔ حضورؐ کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو یہ عذر پیش کرتا ہوا آیا کہ یارسول اللہ ہم تو یونہی وقت گزاری کے لئے ہنس رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں تمہاری ہنسی کے لئے اللہ' رسول اور قرآن ہی رہ گیا ہے۔ یاد رکھو اگر کسی کو ہم معاف کر دیں گے تو کسی کو سخت سزا بھی دیں گے۔ اس وقت حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار جا رہے تھے۔ یہ منافق آپ کی تلوار پر ہاتھ رکھے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا معذرت کرتا ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپؐ اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔ جس مسلمان نے اس کا یہ قول سنا تھا' اس نے اسی وقت اسے جواب بھی دیا تھا کہ تو بکتا ہے' جھوٹا ہے' تو منافق ہے۔ یہ واقعہ جنگ تبوک کے موقع کا ہے۔ مسجد میں اس نے یہ ذکر کیا تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ تبوک جاتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا جن میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر وغیرہ تھے۔ یہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ نصرانیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی جیسی سمجھنا سخت خطرناک غلطی ہے۔ اچھا ہے انہیں وہاں پٹنے دو۔ پھر ہم بھی یہاں ان

کی درگت بنائیں گے۔ اس پر ان کے دوسرے سردار فحش نے کہا' بھئی ان باتوں کو چھوڑ دو ورنہ یہ ذکر پھر قرآن میں آئے گا۔ کوڑے کھالینا ہمارے نزدیک تو اس رسوائی سے بہتر ہے۔ آگے آگے یہ لوگ یہ تذکرے کرتے کرتے جا ہی رہے تھے کہ حضورؐ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا' جانا ذرا دیکھنا' یہ لوگ جل گئے' ان سے پوچھ تو کہ یہ کیا ذکر کر رہے تھے؟ اگر یہ انکار کریں تو تو کہنا کہ تم یہ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمارؓ نے جا کر ان سے یہ کہا' یہ حضورؐ کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ حضورؐ ہنسی ہنسی میں ہمارے منہ سے ایسی بات نکل گئی' ودیعہ نے تو یہ کہا لیکن فحش بن حمیر نے کہا' یارسول اللہ آپؐ میرا اور میرے باپ کا نام ملاحظہ فرمایئے پس اس وجہ سے یہ لغو حرکت اور حماقت مجھ سے سرزد ہوئی۔ معاف فرمایا جاؤں۔ پس اس سے جناب باری نے درگذر فرمالیا اور اس آیت میں اسی سے درگذر فرمانے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا۔ عبدالرحمٰن رکھا۔ سچا مسلمان بن گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے اپنی راہ شہید کرتا کہ یہ دھبہ دھل جائے چنانچہ یمامہ والے دن یہ بزرگ شہید کر دیئے گئے اور ان کی نعش بھی نہ ملی رضی اللہ عنہ ورضاء۔ ان منافقوں نے بطور طعنہ زنی کے کہا تھا کہ لیجئے کیا آنکھیں پھٹ گئیں ہیں اب یہ چلے ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کریں۔ بھلا اس عقلمندی اور دور بینی کو تو دیکھئے جب حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر مطلع کر دیا تو یہ صاف منکر ہو گئے اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ ہم تو آپس میں ہنسی کھیل کر رہے تھے۔ ہاں ان میں ایک شخص تھا جسے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ یا اللہ میں تیرے کلام کی ایک آیت سنتا ہوں جس میں میرے گناہ کا ذکر ہے۔ جب میں سنتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میرا دل کپکپانے لگتا ہے۔ پروردگار تو میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنی راہ میں شہید کر اور اس طرح کہ نہ کوئی مجھے غسل دے نہ کفن دے نہ دفن کرے' یہی ہوا۔ جنگ یمامہ میں یہ شہداء کے ساتھ شہید ہوئے تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں لیکن ان کی نعش کا پتہ ہی نہ چلا۔ جناب باری کی طرف سے اور منافقوں کو جواب ملا کہ اب بہانے نہ بناؤ۔ تم زبانی ایماندار بنے تھے لیکن اب اسی زبان سے تم کافر ہو گئے۔ یہ قول کفر کا کلمہ ہے کہ تم نے اللہ' رسول اور قرآن کی ہنسی اڑائی۔ ہم اگر کسی سے درگذر بھی کر جائیں لیکن تم سب سے یہ معاملہ نہیں ہونے کا' تمہارے اس جرم اور اس بدترین خطا اور اس کافرانہ گفتگو کی تمہیں سخت ترین سزا بھگتنا پڑے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

تمام منافق مرد وعورت آپس میں ایک ہی ہیں' یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں' یہ اللہ کو بھول گئے۔ اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا' بیشک منافق ہی فاسق وبدکردار ہیں ○

ایک کے ہاتھ نیکیوں کے کھیت' دوسرے کے ہاتھ برائیوں کی وبا: ☆☆ (آیت:۶۷) منافقوں کی خصلتیں مومنوں کے بالکل برخلاف ہوتی ہیں۔ مومن بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ منافق برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلائیوں سے منع کرتے ہیں۔ مومن سخی ہوتے ہیں۔ منافق بخیل ہوتے ہیں۔ مومن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ منافق یاد الٰہی بھلائے رہتے ہیں۔ اسی کے بدلے اللہ بھی ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھول گیا ہو۔ قیامت کے دن یہی ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم

تمہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔ منافق راہ حق سے دور ہو گئے ہیں' گمراہی کی چکر دار بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں۔ ان منافقوں اور کافروں کی ان بداعمالیوں کی سزا ان کے لئے اللہ تعالیٰ جہنم کو مقرر فرما چکا ہے جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔ وہاں کا عذاب انہیں بس ہوگا۔ انہیں رب رحیم اپنی رحمت سے دور کر چکا ہے اور ان کے لئے اس نے دائمی اور مستقل عذاب رکھے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں' عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' وہی انہیں کافی ہے' ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان ہی کے لئے دائمی عذاب ہے ○ مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے' تم سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے' پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے۔ پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی' ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوئے۔ یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ○

(آیت:۶۹) ان لوگوں کو بھی اگلے لوگوں کی طرح کے عذاب پہنچے۔ خلاق سے مراد یہاں دین ہے۔ جیسے اگلے لوگ جھوٹ اور باطل میں کودتے پھاندتے رہے' ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کیا۔ ان کے یہ فاسد اعمال اکارت ہو گئے۔ نہ دنیا میں سودمند ہوئے نہ آخرت میں ثواب دلانے والے ہیں۔ یہی صریح نقصان ہے کہ عمل کیا اور ثواب نہ ملا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' جیسے آج کی رات کل کی رات سے مشابہ ہوتی ہے' اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی۔ میرا تو خیال ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے بالکل بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا اس سے مراد آپ کی کون لوگ ہیں؟ کیا اہل کتاب؟ آپؐ نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو

کالذین من قبلکم الخ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں خلاق سے مراد دین ہے۔ اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے۔ لوگوں نے پوچھا' کیا فارسیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ نے فرمایا اور لوگ ہیں ہی کون؟ اس حدیث کے مفہوم پر شاہد صحیح احادیث میں بھی ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

کیا انہیں اپنے سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں۔ قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل موتفکات' ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے' اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ○

بدکاروں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو: ☆☆ (آیت: ۷۰) ان بدکردار منافقوں کو وعظ سنایا جا رہا ہے کہ اپنے سے پہلے جیسوں کے حالات پر عبرت کی نظر ڈالو۔ دیکھو کہ نبیوں کی تکذیب کیا پھل لائی؟ قوم نوح کا غرق ہونا اور سوا مسلمانوں کے کسی کا نہ بچنا یاد کرو۔ عادیوں کا ہود علیہ السلام کے نہ ماننے کی وجہ سے ہوا کے جھونکوں سے تباہ ہونا یاد کرو' ثمودیوں کا حضرت صالح علیہ السلام کے جھٹلانے اور اللہ کی نشانی اونٹنی کے کاٹ ڈالنے سے ایک جگر دوز کڑاکے کی آواز سے تباہ و برباد ہونا یاد کرو۔ ابراہیم علیہ السلام کا دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ جانا اور ان کے دشمنوں کا غارت ہونا' نمرود بن کنعان بن کوش جیسے بادشاہ کا مع اپنے لاؤ لشکر کے تباہ ہونا نہ بھولو۔ وہ سب لعنت کے مارے بے نشان کر دیئے گئے۔ قوم شعیب انہی بدکرداریوں اور کفر کے بدلے زلزلے اور سائبان والے دن کے عذاب سے تہ و بالا کر دی گئی جو مدین کی رہنے والی تھی۔ قوم لوط جن کی بستیاں الٹی پڑی ہیں' مدین اور سدوم وغیرہ' اللہ نے انہیں بھی اپنے نبی لوطؑ کے ماننے اور اپنی بدفعلی نہ چھوڑنے کے باعث ایک ایک کو پیوند زمین کر دیا۔ ان کے پاس ہمارے رسول ہماری کتاب اور کھلے معجزے اور صاف دلیلیں لے کر پہنچے لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔

بالآخر اپنے ظلم سے آپ برباد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو حق واضح کر دیا' کتاب اتار دی' رسول بھیج دیئے' حجت ختم کر دی لیکن یہ رسولوں کے مقابلے پر آمادہ ہوئے' کتاب اللہ کی تعمیل سے بھاگے' حق کی مخالفت کی۔ پس لعنت رب اتری اور انہیں خاک سیاہ کر گئی۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

مومن مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں' یہ بھلائیاں سکھاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں۔

زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ کی اور اس کے رسول کی مانتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا' بیشک اللہ تعالیٰ عزت و غلبے والا حکمت و درست کاری والا ہے ○

مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں : ☆☆ (آیت:۷۱) منافقوں کی بدخصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک خصلتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا دست و بازو بنے رہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے' آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے' مسلمان اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگ اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔ سب کو بھلائیاں دکھاتے ہیں' اچھی باتیں بتاتے ہیں' برے کاموں سے' بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے' تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے۔ یہ نمازی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی زکوۃ بھی دیتے ہیں تاکہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو اور دوسری جانب مخلوق کی دلجوئی ہو۔ اللہ اور رسول کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ جو حکم ملا' بجا لائے۔ جس سے روکا' رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم الٰہی کے مستحق ہیں۔ یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ کی رحمت ان کی طرف لپکتی ہے۔

اللہ عزیز ہے۔ وہ اپنے فرمانبرداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے' اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں' اس کی حکمت کی تہہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ جو چاہے کرے' وہ برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۷۲

ع ۹ ۱۵

ان ایمان دار مردوں عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو ان ہیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے' یہی زبردست کامیابی ہے ○

مومنوں کو نیکیوں کے انعامات : ☆☆ (آیت:۷۲) مومنوں کی ان نیکیوں پر جو اجر و ثواب انہیں ملے گا' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ابدی نعمتیں' ہیشگی کی راحتیں' باقی رہنے والی جنتیں' جہاں قدم قدم پر خوشگوار پانی کے چشمے ابل رہے ہیں' جہاں بلند و بالا خوبصورت' مزین' صاف ستھرے' آرائش و زیبائش والے محلات اور مکانات ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' دو جنتیں تو صرف سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ بھی وہاں ہے' سب سونے ہی سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ برتن بھی اور کل چیزیں بھی۔ ان میں اور دیدار الٰہی میں کوئی حجاب بجز اس کبریائی کی چادر کے نہیں جو اللہ جل وعلا کے چہرے پر ہے' یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہو گا۔ ایک ہی موتی کا بنا ہوا۔ اس کا طول ساٹھ میل کا ہو گا۔ مومن کی بیویاں وہیں ہوں گی جن کے پاس یہ آتا جاتا رہے گا لیکن

ایک دوسرے کو دکھائی نہ دیں گی۔

آپ کا فرمان ہے' جو اللہ رسولؐ پر ایمان لائے' نماز قائم رکھے' رمضان کے روزے رکھے' اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے' اس نے ہجرت کی ہو یا اپنے وطن میں ہی رہا ہو۔ لوگوں نے کہا' پھر ہم اوروں سے بھی یہ حدیث بیان کر دیں؟ آپؐ نے فرمایا' جنت میں ایک سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدوں کے لیے بنائے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پس جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ سب سے اونچی اور سب سے بہتر جنت ہے۔ جنتوں کی سب نہریں وہیں سے نکلتی ہیں۔ اس کی چھت رحمان کا عرش ہے۔ فرماتے ہیں۔ اہل جنت جنتی بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے چمکتے دمکتے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام جنتوں میں خالص ایک اعلیٰ مقام ہے جس کا نام وسیلہ ہے کیونکہ وہ عرش سے بالکل قریب ہے۔ یہ جگہ ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ آپ فرماتے ہیں' جب تم مجھ پر درود پڑھو تو اللہ سے میرے لیے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا وہ اعلیٰ درجہ جو ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں' موذن کی اذان کا جواب دو' جیسے کلمات وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو' وہ جنت کی ایک منزل ہے جو تمام مخلوق الٰہیہ میں سے ایک ہی شخص کو ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ہی عنایت ہو گی۔ جو شخص میرے لئے اللہ سے اس وسیلے کی طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہو گئی۔ فرماتے ہیں' میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو' دنیا میں جو بھی میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا' میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی بنوں گا۔ صحابہؓ نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمیں جنت کی باتیں سنایئے' ان کی بنا کس چیز کی ہے؟ فرمایا سونے چاندی کی اینٹوں کی' اس کا گارا خالص مشک ہے' اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہے' اس کی مٹی زعفران ہے' اس میں جو جائے گا' وہ نعمتوں میں ہو گا جو کبھی خالی نہ ہوں۔ وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا جس کے بعد موت کا کھٹکا بھی نہیں۔ نہ اس کے کپڑے خراب ہوں نہ اس کی جوانی ڈھلے۔ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے اور باہر کا حصہ اندر سے۔ ایک اعرابی نے پوچھا' حضورؐ یہ بالا خانے کن کے لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو اچھا کلام کرے' کھانا کھلائے' روزے رکھے اور راتوں کو لوگوں کے سونے کے وقت تہجد کی نماز ادا کرے۔ فرماتے ہیں' کوئی ہے جو جنت کا شائق اور اس کے لئے محنت کرنے والا ہو؟ واللہ جنت کی کوئی چار دیواری محدود کرنے والا نہیں۔ وہ تو ایک چمکتا ہوا بقعہ نور ہے اور مہکتا ہوا گلستان ہے اور بلند و بالا پاکیزہ محلات ہیں اور جاری و ساری لہریں ہیں اور گدرائے ہوئے اور پکے میووں کے خوشے ہیں اور خوش جمال' خوبصورت' پاک سیرت حوریں ہیں اور بیش قیمت رنگین ریشمی جوڑے ہیں' مقام ہے ہیشگی کا' گھر ہے سلامتی کا' میوے ہیں لدے پھندے' سبزہ ہے پھیلا ہوا' کشادگی اور راحت ہے' امن اور چین ہے' نعمت اور رحمت ہے' عالیشان خوش منظر کوشک اور حویلیاں ہیں۔ یہ سن کر لوگ بول اٹھے کہ حضورؐ ہم سب اس جنت کے مشتاق اور اس کے حاصل کرنے کے کوشاں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو۔ پس لوگوں نے ان شاء اللہ کہا۔

پھر فرماتا ہے' ان تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بالا نعمت اللہ کی رضامندی ہے۔ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ عزوجل جنتیوں کو پکارے گا کہ اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیك ربنا وسعديك والخير في يديك۔ پوچھے گا کہو' تم خوش ہو گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ خوش کیوں نہ ہوتے۔ تو نے تو اے پروردگار ہمیں وہ دیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہ ملا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لو میں تمہیں اس سے بہت ہی

افضل و اعلیٰ چیز عطا فرماتا ہوں۔ وہ کہیں گے یا اللہ اس سے بہتر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' سنو میں نے اپنی رضامندی تمہیں عطا فرمائی۔ آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں' جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے' اللہ عزوجل فرمائے گا' کچھ اور چاہیئے تو دوں' وہ کہیں گے' یا اللہ جو تو نے ہمیں عطا فرما رکھا ہے' اس سے بہتر تو کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ فرمائے گا' وہ میری رضامندی ہے جو سب سے بہتر ہے۔ امام حافظ ضیاء مقدسی نے صفت جنت میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں اس حدیث کو شرط صحیح پر بتایا ہے واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھ اور ان پر سختی کرتا رہ' ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے' جو نہایت بدترین جگہ ہے ○ یہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبانوں سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔ یہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسولؐ نے دولت مند کر دیا' اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے' اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کرے گا' اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہوگا ○

چار تلواریں؟ ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) کافروں منافقوں سے جہاد کا اور ان پر سختی کا حکم ہوا۔ مومنوں سے جھک کر ملنے کا حکم ہوا۔ کافروں کی اصلی جگہ جہنم مقرر فرما دی۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک تلوار تو مشرکوں میں۔ فرماتا ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کی خوب خبر لو۔ دوسری تلوار اہل کتاب کے کفار میں۔ فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ جو اللہ پر' قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے' اللہ اور رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں مانتے۔ دین حق کو قبول نہیں کرتے' ان اہل کتاب سے جہاد کرو جب تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور نہ کر لیں۔ تیسری تلوار منافقین میں۔ ارشاد ہوتا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں فرمان ہے فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ باغیوں سے لڑو جب تک کہ پلٹ کر وہ اللہ کے احکام کی حکم برداری کی طرف نہ آ جائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان

سے تلوار سے جہاد کرنا چاہئے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہاتھ سے نہ ہو سکے تو ان کے منہ پر ڈانٹ ڈپٹ سے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں کے ساتھ زبانی جہاد کو فرمایا ہے اور یہ کہ ان پر نرمی نہ کی جائے۔ مجاہدؒ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔ ان پر حد شرعی کا جاری کرنا بھی ان سے جہاد کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کبھی تلوار بھی ان کے خلاف اٹھانی پڑے گی ورنہ جب تک کام چلے زبان کافی ہے۔ جیسا موقعہ ہو کر لے۔

قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔ حالانکہ درحقیقت کفر کا بول بول چکے ہیں اور اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک جہنی اور ایک انصاری میں لڑائی ہوئی۔ جہنی شخص انصاری پر چھا گیا تو اس منافق نے انصار کو اس کی مدد پر ابھارا اور کہنے لگا واللہ ہماری اور اس محمد (ﷺ) کی تو وہی مثال ہے کہ ''اپنے کتے کو موٹا تازہ کر کہ وہ تجھے ہی کاٹے'' واللہ اگر ہم اب کی مرتبہ مدینے واپس گئے تو ہم ذی عزت لوگ ان تمام کمینے لوگوں کو وہاں سے نکال کر باہر کریں گے۔ ایک مسلمان نے جا کر حضورؐ سے یہ گفتگو دہرا دی۔ آپ نے اسے بلوا کر اس سے سوال کیا تو یہ قسم کھا کر انکار کر گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری قوم کے جو لوگ حرہ کی جنگ میں کام آئے ان پر مجھے بڑا ہی رنج وصدمہ ہو رہا تھا۔ اس کی خبر حضرت زید بن ارقمؓ کو پہنچی تو آپ نے مجھے خط میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ دعا کرتے ہیں یا اللہ انصار کو اور انصار کے لڑکوں کو بخش دے۔ نیچے کے راوی ابن الفضل کو اس میں شک ہے کہ آپ نے اپنی اس دعا میں ان کے پوتوں کا نام بھی لیا یا نہیں؟ پس حضرت انسؓ نے موجودہ لوگوں میں سے کسی سے حضرت زید کی نسبت سوال کیا تو اس نے کہا یہی وہ زید ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی۔ سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک منافق نے کہا اگر یہ سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ حضرت زیدؓ نے کہا واللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سچے ہیں اور بے شک تو اپنی حماقت میں گدھے سے بڑھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے یہ بات حضورؐ کے گوش گذار کی لیکن وہ منافق پلٹ گیا اور صاف انکار کر گیا اور کہا کہ زید نے جھوٹ بولا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور حضرت زیدؓ کی سچائی بیان فرمائی۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے۔ ممکن ہے راوی کو اس آیت کے ذکر میں وہم ہو گیا ہو اور دوسری آیت کے بدلے اسے بیان کر دیا ہو۔ یہی حدیث بخاری شریف میں ہے لیکن اس جملے تک کہ زید وہ ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی۔ ممکن ہے کہ بعد کا حصہ موسیٰ بن عقبہ راوی کا اپنا قول ہو۔ اسی کی ایک روایت میں یہ پچھلا حصہ ابن شہاب کے قول سے مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ تبوک کے واقعہ کے بعد ہے کہ جو منافق موخر چھوڑ دیئے گئے تھے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا ان میں سے بعض آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی تھے۔ ان میں جلاس بن عوید بن صامت بھی تھا۔ ان کے گھر میں عمیر بن سعد کی والدہ تھیں جو اپنے ساتھ حضرت عمیر کو بھی لے گئی تھیں۔ جب ان منافقوں کے بارے میں قرآنی آیتیں نازل ہوئیں تو جلاس کہنے لگا واللہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ یوں تو آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ کی تکلیف مجھ پر میری تکلیف سے بھی زیادہ شاق ہے لیکن آپ نے اس وقت تو ایسی بات منہ سے نکالی ہے کہ اگر میں اسے پہنچاؤں تو رسوائی ہے اور نہ پہنچاؤں تو ہلاکت ہے رسوائی یقیناً ہلاکت سے ہلکی چیز ہے۔ یہ کہہ کر یہ

بزرگ حاضر حضورؐ ہوئے اور ساری بات آپ کو کہہ سنائی- جلاس کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر کہا کہ عمیر جھوٹا ہے- میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی- اس پر یہ آیت اتری- مروی ہے کہ اس کے بعد جلاس نے توبہ کر لی اور درست ہو گئے- یہ توبہ کی بات بہت ممکن ہے کہ امام محمد بن اسحاق کی اپنی کہی ہوئی ہو- حضرت کعبؓ کی یہ باتیں نہیں- واللہ اعلم- اور روایت میں ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت اپنے سوتیلے بیٹے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبا سے آ رہے تھے- دونوں گدھوں پر سوار تھے- اس وقت جلاس نے یہ کہا تھا- اس پر ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ اے دشمن رب' میں تیری اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر کروں گا- فرماتے ہیں کہ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن نہ نازل ہو یا مجھ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آ جائے یا اس گناہ میں بھی اپنے باپ کا شریک نہ کر دیا جاؤں چنانچہ میں سیدھا حاضر ہوا اور تمام بات حضورؐ کو مع اپنے ڈر کے سنا دی- ابن جریر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سائے دار درخت تلے بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص آئے گا اور تمہیں شیطان دیکھے گا- خبردار تم اس سے کلام نہ کرنا- اسی وقت ایک انسان کیری آنکھوں والا آیا- آپؐ نے اس سے فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ اسی وقت گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا- سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا' ہم نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا یہاں تک کہ حضورؐ نے ان سے درگذر فرما لیا پھر یہ آیت اتری- اس میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے وہ قصد کیا جو پورا نہ ہوا' مراد اس سے جلاس کا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوتیلے لڑکے کو جس نے حضورؐ کی خدمت میں بات کہہ دی تھی' قتل کر دے- ایک قول ہے کہ عبداللہ بن ابی نے خود حضورؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا- یہ قول بھی ہے کہ بعض لوگوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اسے سردار بنا دیں گو رسول اللہ ﷺ راضی نہ ہوں- یہ بھی مروی ہے کہ دس سے اوپر آدمیوں نے غزوہ تبوک میں راستے میں حضورؐ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہا تھا-

چنانچہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' میں اور حضرت عمارؓ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے- ایک چلاتا تھا- دوسرا نکیل تھامتا تھا- ہم عقبہ میں تھے کہ بارہ شخص منہ پر نقاب ڈالے آئے اور اونٹنی کو گھیر لیا- حضورؐ نے انہیں للکارا اور وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے- آپؐ نے ہم سے فرمایا- کیا تم نے انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' لیکن ان کی سواریاں ہماری نگاہوں میں ہیں- آپؐ نے فرمایا' یہ منافق تھے اور قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا- جانتے ہو یہ کس ارادے سے آئے تھے؟ ہم نے کہا نہیں- فرمایا اللہ کے رسول کو عقبہ میں پریشان کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے- ہم نے کہا حضورؐ ان کی قوم کے لوگوں سے کہلوا دیجئے کہ ہر قوم والے اپنی قوم کے جس آدمی کی شرکت اس میں پائیں' اس کی گردن اڑا دیں- آپؐ نے فرمایا نہیں ورنہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں گی کہ محمد (ﷺ) پہلے تو انہی لوگوں کو لے کر اپنے دشمنوں سے لڑے- ان پر فتح حاصل کر کے پھر اپنے ان ساتھیوں کو بھی قتل کر ڈالا- آپؐ نے ان کے لئے بددعا کی کہ یا اللہ ان کے دلوں پر آتشیں پھوڑے پیدا کر دے-

اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی میں حضورؐ نے اعلان کرا دیا کہ میں عقبہ کے راستے میں جاؤں گا- اس کی راہ کوئی نہ آئے- حضرت حذیفہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت عمارؓ پیچھے سے چلا رہے تھے کہ ایک جماعت اپنی اونٹنیوں پر سوار آ گئی- حضرت عمارؓ نے ان کی سواریوں کو مارنا شروع کیا اور حضرت حذیفہؓ نے حضورؐ کے فرمان سے آپ کی سواری کو نیچے کی طرف چلانا شروع کر دیا- جب نیچے کا میدان آ گیا' آپؐ سواری سے اتر آئے- اتنے میں عمارؓ بھی واپس پہنچ گئے- آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے- پہچانا بھی؟ حضرت عمارؓ نے کہا منہ تو چھپے ہوئے تھے لیکن سواریاں معلوم ہیں' پوچھا ان کا ارادہ کیا تھا' جانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں آپؐ نے فرمایا' انہوں نے چاہا تھا کہ شور کر کے ہماری اونٹنی کو بھڑکا دیں اور ہمیں گرا دیں- ایک شخص سے حضرت عمارؓ نے ان کی تعداد

دریافت کی تو اس نے کہا چودہ۔ آپ نے فرمایا' اگر تو بھی ان میں تھا تو پندرہ۔ حضورؐ نے ان سے تین شخصوں کے نام گنوائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم نے تو منادی کی' ندا سنی اور نہ ہمیں اپنے ساتھیوں کے کسی بد ارادے کا علم تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ باقی کے بارہ لوگ اللہ رسولؐ سے لڑائی کرنے والے ہیں' دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ امام محمد بن اسحاق نے ان سے بہت سے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمارؓ کا کچھ تعلق تھا تو اس کو آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتا دو۔ اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ چودہ تھے۔ اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن اللہ اور رسولؐ ہی تھے اور تین شخصوں کی قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی نہ ندا سنی نہ ہمیں جانے والوں کے ارادے کا علم تھا' اس لئے معذور رکھا گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ پانی بہت کم تھا آپ نے فرمادیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے لیکن اس پر بھی کچھ لوگ پہنچ گئے تھے۔ آپ نے ان پر لعنت کی' آپ کا فرمان ہے کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ جنت میں جائیں گے نہ اس کی خوشبو پائیں گے' آٹھ کے کندھوں پر تو آتشی پھوڑا ہوگا جو سینے تک پہنچے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔ اسی باعث حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا۔ آپ نے صرف انہی کو ان منافقوں کے نام بتائے تھے۔۔ واللہ اعلم۔ طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں۔ معتب بن قشیر' ودیعہ بن ثابت' جدین بن عبداللہ بن نبیل بن حارث جو عمرو بن عوف کے قبیلے کا تھا اور حارث بن یزید طائی اوس بن قیظی' حارث بن سوید' سفیہ بن دراہ' قیس بن فہر' سوید' داعن قبیلہ بنو جعلی کے' قیس بن عمرو بن سہل' زید بن لصیت اور سلالہ بن ہمام۔ یہ دونوں قبیلہ بنو قینقاع کے ہیں۔ یہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اس آیت میں اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں مالدار بنایا۔ اگر ان پر اللہ کا پورا فضل ہو جاتا تو انہیں ہدایت بھی نصیب ہو جاتی جیسے کہ حضورؐ نے انصار سے فرمایا' کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا کہ پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہاری رہبری کی' تم متفرق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں الفت ڈال دی۔ تم فقیر بے نوا تھے۔ اللہ نے میرے سبب سے تمہیں غنی اور مالدار کر دیا۔ ہر سوال کے جواب میں انصار رضی اللہ عنہم فرماتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ کا اور اس کے رسول کا اس سے زیادہ احسان ہے۔ الغرض بیان یہ ہے۔ بے قصور ہونے کے بدلے یہ لوگ دشمنی اور بے ایمانی پر اتر آئے۔ جیسے سورہ بروج میں ہے کہ ان مسلمانوں میں سے ان کافروں کا انتقام صرف ان کے ایمان کے باعث تھا۔ حدیث میں ہے کہ ابن جمیل صرف اس بات کا انتقام لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا۔ اللہ نے اسے غنی کر دیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ اپنے اسی طریقہ پر کاربند رہے تو انہیں دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی۔ قتل' صدمہ و غم اور دوزخ کے ذلیل و پست کرنے والے ناقابل برداشت عذاب کی سزا بھی۔ دنیا میں کوئی نہ ہوگا جو ان کی طرفداری کرے' ان کی مدد کرے' ان کے کام آئے' ان سے برائی ہٹائے یا انہیں نفع پہنچائے یہ بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ
وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے اور نیک کاروں میں ہو جائیں گے ○ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا ○ اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اللہ سے ملنے کے دن تک کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور جھوٹ بولتے رہے ○ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام خبروں سے خبردار ہے ○

دعا قبول ہوئی تو اپنا عہد بھول گیا: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۸) بیان ہو رہا ہے کہ ان منافقوں میں وہ بھی ہے جس نے عہد کیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ مالدار کر دے تو میں بڑی سخاوت کروں اور نیک بن جاؤں لیکن جب اللہ نے اسے امیر اور خوشحال بنا دیا' اس نے وعدہ شکنی کی اور بخیل بن بیٹھا جس کی سزا میں قدرت نے اس کے دل میں ہمیشہ کے لئے نفاق ڈال دیا۔ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو' اس بہت سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر دوبارہ بھی درخواست کی تو آپ نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا حضور واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کی داد دوں۔ ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ نے اس کے لئے مال میں برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں یہاں تک کہ مدینہ شریف اس کے جانوروں کے لئے تنگ ہو گیا۔ یہ ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر' عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ باقی نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال بڑھتا گیا' ہفتے بعد جمعہ کے لئے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟ ایک مرتبہ حضورؐ نے اس کا حال دریافت کیا' لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپؐ نے اظہار افسوس کیا۔

ادھر آیت اتری کہ ان کے مال سے صدقے لے اور صدقے کے احکام بھی بیان ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو جن میں ایک قبیلہ جہنیہ کا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا تھا' انہیں تحصیلدار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر انہیں پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور فلانے بنی سلیم سے صدقہ لے آؤ۔ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ فرمان پیغمبر دکھایا۔ صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ واہ یہ تو جزیئے کی بہن ہے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ یہ کیا بات ہے اچھا اب تو جاؤ۔ لوٹتے ہوئے آنا۔ دوسرا شخص سلمی جب اسے معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انہیں لے کر خود ہی آگے بڑھا۔ انہوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق نہ تجھ پر ان کا دینا واجب' اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے ہی بہترین جانور دینا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں قبول فرمائیے۔ بالآخر انہوں نے لے لئے۔ اوروں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمہیں دیا گیا ہے۔ پڑھ کر کہنے لگا' بھئی یہ تو صاف صاف جزیہ ہے۔ کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ تو بالکل ویسا ہی ہے۔ اچھا تم جاؤ۔ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے' انہیں دیکھتے ہی حضورؐ نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور سلمی شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ اب انہوں نے بھی ثعلبہ اور سلمی دونوں کا

واقعہ کہہ سنایا۔

پس اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتے دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر واقعہ بیان کیا اور آیت بھی پڑھ سنائی۔ یہ حضرتؐ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ نے فرمایا' یہ تو سب تیرا ہی کیا دھرا ہے' میں نے تو تجھے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ یہ واپس اپنی جگہ چلا آیا۔ حضورؐ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ پھر یہ خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا میری جو عزت حضورؐ کے پاس تھی' وہ اور میرا جو مرتبہ انصار میں ہے' وہ آپ خوب جانتے ہیں۔ آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کون؟ غرض آپ نے بھی انکار کر دیا۔ جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ مسلمانوں کے والی ہوئے' یہ پھر آیا اور کہا امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا جب حضورؐ نے قبول نہیں فرمایا' خلیفہ اول نے قبول نہیں فرمایا تو اب میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضورؐ نے اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر لوں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا۔ اسی اثنا میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔

الغرض پہلے تو سخاوت کے وعدے کئے تھے اور وہ بھی قسمیں کھا کھا کر۔ پھر اپنے وعدے سے پھر گیا اور سخاوت کے عوض بخیلی کی اور وعدہ شکنی کر لی۔ اس جھوٹ اور عہد شکنی کے بدلے اس کے دل میں نفاق پیوست ہو گیا جو اس وقت سے اس کی پوری زندگی تک اس کے ساتھ رہا۔ حدیث میں بھی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے' جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف کرے' جب امانت سونپی جائے' خیانت کرے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اللہ دل کے ظاہر اور پوشیدہ ارادوں اور سینے کے رازوں کا عالم ہے۔ وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ یہ خالی زبانی بکواس ہے کہ مالدار ہو جائیں تو یوں خیراتیں کریں۔ یوں شکر گزاری کریں۔ یوں نیکیاں کریں۔ لیکن دلوں پر نظریں رکھنے والا اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ مال مست ہو جائیں گے اور دولت پا کر خرمستیاں' ناشکری اور بخل کرنے لگیں گے۔ وہ ہر حاضر غائب کا جاننے والا ہے' وہ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے' ظاہر باطن سب اس پر روشن ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیراتیں کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں' یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لئے دکھ کی مار ہے ○

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز: ☆☆ (آیت: ۷۹) منافقوں کی ایک بدخصلت یہ بھی ہے کہ ان کی زبانوں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل۔ یہ عیب جو بدگو لوگ بہت برے ہیں' اگر کوئی شخص بڑی رقم اللہ کی راہ میں دے تو یہ اسے ریا کار کہنے لگتے ہیں اور

اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بنا پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں' لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی اللہ بھوکا تھا۔ چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اترتی ہے تو صحابہؓ اپنے اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے دل کھول کر بہت بڑی رقم دی تو اسے ان منافقوں نے ریاکار کا خطاب دیا۔ بیچارے ایک صاحب مسکین آدمی تھے۔ صرف ایک صاع اناج لائے تھے انہیں کہا کہ اس کے اس صدقے کی اللہ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا' میں اس کی بابت قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دوں گا۔ اس وقت ایک صحابی نے اپنے عمامے میں سے کچھ دینا چاہا لیکن پھر لپیٹ لیا۔ اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے' ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے جن سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی۔ کہنے لگے یا رسول اللہ یہ اللہ کے نام پر خیرات ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اس نے کہا۔ لیجئے سنبھال لیجئے۔ اس پر کسی نے کہا اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے۔ آپ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے۔ افسوس سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر فرمایا۔ مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے اور ہاتھ بھر بھر کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔ یعنی راہ اللہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔

پھر فرمایا' انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے اور زیادہ عبادت والے ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک غریب انصاریؓ ایک صاع اناج لائے۔ منافقوں نے ایک کو ریاکار بتایا۔ دوسرے کے صدقے کو حقیر کہہ دیا۔ ایک مرتبہ آپ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے۔ ایک میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روک لیا اور ایک لے آیا۔ آپ نے اسے بھی جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا۔ اس پر منافق بکواس کرنے لگے کہ اللہ اور رسولؐ تو اس سے بے نیاز ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے۔ میں یہ سب صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' ہوش میں بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا' ہاں ہوش میں ہوں' فرمایا پھر کیا کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا سنو میرے پاس آٹھ ہزار ہیں جن میں سے چار ہزار تو میں اللہ کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔ منافق ان پر باتیں بنانے لگے کہ لوگوں کو اپنی سخاوت دکھانے کے لئے اتنی بڑی رقم دے دی۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔ بنو عجلان کے عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات میں دی تھی جو ایک سو وسق پر مشتمل تھی۔ منافقوں نے اسے ریاکاری پر محمول کیا تھا۔ اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابو عقیل تھے۔ یہ قبیلہ بنو انیف کے شخص تھے۔ ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے ہنسی اور ہجو کی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضورؐ نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دو ہزار دیئے تھے اور دو ہزار رکھے تھے۔ دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں۔ یہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ رات بھر اپنی پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے رہے۔ ان کا نام حباب تھا۔ اور قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ثعلبہ تھا۔ پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں اللہ نے بھی ان سے یہی بدلہ لیا۔ ان منافقوں کے لئے آخرت میں المناک عذاب ہیں اور ان کے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی برا بدلہ ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰ ع

ان کے لئے تو استغفار کر' یا نہ کر اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا' یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اور ان کے رسول سے کفر کیا ہے' ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا ۝

منافق کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت: ☆☆ (آیت:۸۰) فرماتا ہے کہ یہ منافق اس قابل نہیں کہ اے نبیؐ تو ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرے۔ ایک بار نہیں اگر تو ستر مرتبہ بھی بخشش ان کے لئے چاہے تو اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ جو ستر کا ذکر ہے' اس سے مراد صرف زیادتی ہے۔ وہ ستر سے کم ہو یا بہت زیادہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے ستر کا ہی عدد ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو ان کے لئے ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا تا کہ اللہ انہیں بخش دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرما دیا کہ ان کے لئے تیرا استغفار کرنا نہ کرنے کے برابر ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا باپ نزع کی حالت میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کے پاس تشریف لے چلیں' اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حباب۔ آپ نے فرمایا تیرا نام عبداللہ ہے' حباب تو شیطان کا نام ہے۔ اب آپ ان کے ساتھ ہوئے ان کے باپ کو اپنا کرتہ اپنے پسینے والا پہنایا۔ اس کی جنازے کی نماز پڑھائی۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ آپ اس کے جنازے پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ کے استغفار سے بھی نہ بخشنے کو فرمایا تو میں ستر بار پھر ستر بار پھر ستر بار استغفار کروں گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں یہ راہ اللہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا پسند رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہہ بھی دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو تو کہہ دے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے ۝ پس انہیں بہت کم ہنسنا چاہئے اور بہت زیادہ روئیں' بدلے میں اس کے جو یہ کیا کرتے تھے ۝

جہنم کی آگ کالی ہے: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) جو لوگ غزوہ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور گھروں میں بیٹھنے پر اکڑ رہے تھے۔ جنہیں راہ اللہ میں مال و جان سے جہاد کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا' جنہوں نے ایک دوسرے کے کان بھرے تھے کہ اس گرمی میں کہاں نکلو

گے؟ ایک طرف پھل پکے ہوئے ہیں' سائے بڑھے ہوئے ہیں دوسری جانب لو کے تھپیڑے چل رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ جہنم کی آگ جس کی طرف تم اس بدکرداری سے جا رہے ہو' وہ اس گرمی سے زیادہ بڑھی ہوئی حرارت اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ آگ تو اس آگ کا سترواں حصہ ہے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکتے۔ حضورؐ فرماتے ہیں ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکی گئی تو سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک دھونکی گئی تو سیاہ ہوگئی پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہے۔ ایک بار آپؐ نے آیت وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی تلاوت کی اور فرمایا ایک ہزار سال تک جلائے جانے سے وہ سفید پڑ گئی' پھر ایک ہزار سال تک بھڑکانے سے سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال دھونکے جانے سے سیاہ ہوگئی۔ پس وہ سیاہ رات جیسی ہے' اس کے شعلوں میں بھی چمک نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ ابو یعلیٰ کی ایک غریب روایت ہے کہ اگر مسجد میں ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی ہوں اور کوئی جہنمی یہاں آ کر سانس لے تو اس کی گرمی سے مسجد اور مسجد والے سب جل جائیں۔ اور حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا دوزخ میں وہ ہوگا جس کے دونوں پاؤں میں دو جوتیاں آگ کے تسمے سمیت ہوں گی جس کی گرمی سے اس کی کھوپڑی ابل رہی ہوگی اور وہ سمجھ رہا ہوگا کہ سب سے زیادہ عذاب اسی کو ہو رہا ہے حالانکہ دراصل سب سے ہلکا عذاب اس کا ہوگا۔ قرآن فرماتا ہے' وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دیتی ہے۔ اور کئی آیتوں میں ہے کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی تمام چیزیں اور ان کی کھالیں جھلس جائیں گی۔ پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کے سر کچلے جائیں گے۔ وہ جب وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا' انہیں ہم بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے۔ ان کی کھالیں جھلستی جائیں گی اور ہم ان کھالوں کے بدلے اور کھالیں بدلتے جائیں گے کہ وہ خوب عذاب چکھیں۔ اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ جہنم کی آگ کی گرمی اور تیزی بہت زیادہ ہے۔ تو یقیناً یہ باوجود موسمی گرمی کے رسول اللہؐ کے ساتھ جہاد میں خوشی خوشی نکلتے اور اپنے جان و مال کو راہ اللہ میں فدا کرنے پر تل جاتے۔ عرب کا شاعر کہتا ہے کہ تو نے اپنی عمر سردی گرمی سے بچنے کی کوشش میں گزار دی حالانکہ تجھے لائق تھا کہ اللہ کی نافرمانیوں سے بچتا کہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ ان بدباطن منافقوں کو ڈرا رہا ہے کہ تھوڑی سی زندگی میں یہاں تو جتنا چاہیں ہنس لیں۔ لیکن اس آنے والی بڑی زندگی میں ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگو روؤ اور رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ۔ جہنمی روئیں گے یہاں تک کہ ان کے رخساروں پر نہروں جیسے گڑھے پڑ جائیں گے آخر آنسو ختم ہو جائیں گے اب آنکھیں خون برسانے لگیں گی ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو اور خون بہا ہوگا کہ اگر کوئی اس میں کشتیاں چلانی چاہے تو چلا سکتا ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ جہنمی جہنم میں روئیں گے اور خوب روتے ہی رہیں گے' آنسو ختم ہونے کے بعد پیپ نکلنا شروع ہوگا۔ اس وقت دوزخ کے داروغے ان سے کہیں گے کہ اے بدبخت رحم کی جگہ تو تم کبھی نہ روئے اب یہاں کا رونا دھونا لاحاصل ہے۔ اب یہ اونچی آوازوں سے چلا چلا کر جنتیوں سے فریاد کریں گے کہ تم لوگ ہمارے ہو۔ رشتے کنبے کے ہو۔ سنو ہم قبروں سے پیاسے اٹھے تھے۔ پھر میدان محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج تک یہاں بھی پیاسے ہی ہیں' ہم پر رحم کرو کچھ پانی ہمارے حلق میں چھوا دو یا جو روزی اللہ نے تمہیں دی

ہے اس میں سے ہی تھوڑا بہت ہمیں دے دو۔ چالیس سال تک کتوں کی طرح چیختے رہیں گے۔ چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا کہ تم یونہی دھتکارے ہوئے بھوکے پیاسے ہی ان سڑیل اور اٹل سخت عذابوں میں پڑے رہو۔ اب یہ تمام بھلائیوں سے مایوس ہو جائیں گے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے، پھر یہ تجھ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہر گز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو، تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا۔ پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو ○

مکاروں کی سزا: ☆☆ (آیت:۸۳) فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی کے ساتھ اس غزوے سے واپس مدینے پہنچادے اور ان میں سے کوئی جماعت تجھ سے کسی اور غزوے میں تیرے ساتھ چلنے کی درخواست کرے تو بطور ان کو سزا دینے کے تو صاف کہہ دینا کہ نہ تو تم میرے ساتھ والوں میں میرے ساتھ چل سکتے ہو نہ تم میری ہمراہی میں دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہو۔ تم جب موقعہ پر دغا دے گئے اور پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہے تو اب تیاری کے کیا معنی؟ پس یہ آیت مثل وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ الخ کے ہے۔ بدی کا بدلہ بدی کے بعد ملتا ہے جیسے کہ نیکی کی جزا بھی نیکی کے بعد ملتی ہے۔ عمرہ حدیبیہ کے وقت قرآن نے فرمایا تھا۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ الخ یعنی جب تم غنیمتیں لینے چلو گے یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ تم سے کہیں گے کہ ہمیں اجازت دو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہو لیں۔ یہاں فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ بیٹھ رہنے والوں میں ہی تم بھی رہو۔ جو عورتوں کی طرح گھروں میں گھسے رہتے ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ان میں سے کوئی مر جائے تو تو اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ○

منافقوں کا جنازہ: ☆☆ (آیت:۸۴) حکم ہوتا ہے کہ اے نبی تم منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو تم نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اس کی قبر پر جا کر اس کے لئے دعائے استغفار کرو۔ اس لئے کہ یہ کفر و فسق پر زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ یہ حکم تو عام ہے گو اس کا شان نزول خاص عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن

کے لئے آپ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمائیے۔ آپؐ نے دے دیا۔ پھر کہا' آپ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھائیے۔ آپؐ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضورؐ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا' سنو اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے' اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے' یارسول اللہ یہ منافق تھا لیکن تاہم حضورؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہؓ بھی آپ کی اقتدا میں تھے۔

ایک روایت میں ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ اس کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو میں صف میں سے نکل کر آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا آپ اس دشمن رب عبداللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا۔ اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ حضورؐ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے۔ آخر میں فرمایا' عمرؓ مجھے چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار ان کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے نماز بھی پڑھائی۔ جنازے کے ساتھ بھی چلے۔ دفن کے وقت بھی موجود رہے۔ اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت ہی افسوس ہونے لگا کہ اللہ اور رسول اللہ خوب علم والے ہیں۔ میں نے ایسی اور اس قدر جرات کیوں کی؟ کچھ ہی دیر ہوگی جو یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آخر دم تک نہ حضورؐ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی نہ اس کی قبر پر آ کر دعا کی۔ اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ کے لیئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپ تشریف لائے تو اسے قبر میں اتار دیا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' اس سے پہلے مجھے کیوں نہ لائے؟ چنانچہ وہ قبر سے نکالا گیا۔ آپ نے اس کے سارے جسم پر تھتکار کر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا۔ اور روایت میں ہے کہ وہ خود یہ وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آ کر حضورؐ کو اس کی آرزو اور اس کی آخری وصیت کی بھی خبر کی اور یہ بھی کہا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپؐ کے پیراہن میں کفنایا جائے۔ آپؐ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبرئیلؑ یہ آیتیں لے کر اترے۔ اور روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ کا دامن تان کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سنائی لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اور روایت میں ہے اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضورؐ کو بلایا۔ آپؐ تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کر دیا۔ اس نے کہا' یارسول اللہؐ یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپؐ میرے لئے دعا استغفار کریں۔ میں مر جاؤں تو مجھے اپنے پیرہن میں کفنائیں۔ بعض سلف سے مروی ہے کہ کرتا دینے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عباسؓ آئے تو ان کے جسم پر کسی کا کپڑا ٹھیک نہیں آیا۔ آخر اس کا کرتا لیا۔ وہ ٹھیک آ گیا۔ یہ بھی لمبا چوڑا' چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا۔ پس اس کے بدلے میں آپ نے اسے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا فرمایا۔ اس آیت کے اترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز آپؐ نے پڑھی نہ کسی کے لئے استغفار کیا۔

مسند احمد میں ہے کہ جب آپ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ پوچھ لیتے۔ اگر لوگوں سے بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپؐ جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔ حضرت عمرؓ کا طریقہ آپ کے بعد یہ

رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے' اس کے جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے۔ جس کی حضرت حذیفہؓ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے اس لئے کہ حضرت حذیفہؓ کو حضورؐ نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور صرف انہی کو یہ نام معلوم تھے اسی بنا پر انہیں رازدار رسول کہا جاتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو حضرت حذیفہؓ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔ جنازے کی نماز اور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے۔ ان میں مردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے' آپ فرماتے ہیں' جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھے جانے تک ساتھ رہے' اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا سب سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حضورؐ کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو' اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ‌ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۷﴾

ان کے مال و اولاد سے تو کچھ بھی تعجب نہ کرنا' اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ تیرے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے ○ یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے ○

(آیت:۸۵) اسی مضمون کی آیہ کریمہ گذر چکی ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ لکھ دی گئی ہے جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(آیت:۸۶-۸۷) ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو وسعت طاقت قوت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نہیں نکلتے' جی چرا جاتے ہیں اور حکم ربانی سن کر پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے رک رہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ان کی بے حمیتی تو دیکھو کہ یہ عورتوں جیسے ہو گئے' لشکر چلے گئے' یہ نامرد زنانے عورتوں کی طرح پیچھے رہ گئے۔ بوقت جنگ بزدل ڈرپوک اور گھروں میں گھسے رہنے والے

اور بوقت امن بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے۔ یہ بھونکنے والے کتوں اور گرجنے والے بادلوں کی طرح ڈھول کے پول ہیں۔

چنانچہ اور جگہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ خوف کے وقت ایسی آنکھیں پھیرنے لگتے ہیں جیسے کوئی مر رہا ہو اور جہاں وہ موقع گزر گیا' لگے چرب زبانی کرنے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے' باتیں بنانے۔ امن کے وقت تو مسلمانوں میں فساد پھیلانے لگتے ہیں اور وہ بلند بانگ بہادری کے ڈھول پیٹتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں لیکن لڑائی کے وقت عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر پردہ نشین بن جاتے ہیں' بل اور سوراخ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے تئیں چھپاتے پھرتے ہیں۔ ایماندار تو سورت اترنے اور اللہ کے حکم ہونے کا انتظار کرتے ہیں لیکن بیمار دلوں والے منافق جہاں سورت اتری اور جہاد کا حکم سنا' آنکھیں بند کر لیں' دیدے پھیر لئے۔ ان پر افسوس ہے۔ اور ان کے لئے تباہی خیز مصیبت ہے۔ اگر یہ اطاعت گزار ہوتے تو ان کی زبان سے اچھی بات نکلتی' ان کے ارادے اچھے رہتے یہ اللہ کی باتوں کی تصدیق کرتے تو یہی چیز ان کے حق میں بہتر تھی لیکن ان کے دلوں پر تو ان کی بداعمالیوں سے مہر لگ چکی ہے۔ اب تو ان میں اس بات کی صلاحیت بھی نہیں رہی کہ اپنے نفع نقصان کو ہی سمجھ لیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۸۹ ع ۹ ۱۱/۱۷
وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ
وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۹۰

لیکن خود رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے رہتے ہیں' یہی لوگ خوبیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ○ انہی کے لئے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں' اب تو ان میں سے جتنے کفار ہیں' انہیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی ○

منافق کی آخرت خراب : ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) منافقوں کی مذمت اور ان کی اخروی خستہ حالت بیان فرما کر اب مومنوں کی مدحت اور ان کی اخروی راحت بیان ہو رہی ہے۔ یہ جہاد کے لئے کمر باندھے رہتے ہیں۔ یہ جان و مال راہ حق میں فدا کرتے رہتے ہیں۔ انہی کے حصے میں بھلائیاں اور خوبیاں ہیں یہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ انہی کے لئے جنت الفردوس ہے اور انہی کے لئے بلند درجے ہیں۔ یہی مقصد حاصل کرنے والے' یہی کامیابی کو پہنچ جانے والے لوگ ہیں۔

جہاد اور معذور لوگ : ☆☆ (آیت: ۹۰) یہ بیان ان لوگوں کا ہے جو حقیقتاً کسی شرعی عذر کے باعث جہاد میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ مدینہ

کے اردگرد کے یہ لوگ آ آ کر اپنی کمزوری وضعیفی' بے طاقتی بیان کر کے اللہ کے رسولؐ سے اجازت لیتے ہیں کہ اگر حضورؐ انہیں واقعی معذور سمجھیں تو اجازت دے دیں۔ یہ بنوغفار کے قبیلے کے لوگ تھے۔ ابن عباسؓ کی قرات میں وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ ہے یعنی اہل عذر لوگ۔ یعنی معنی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اسی جملے کے بعد ان لوگوں کا بیان ہے جو جھوٹے تھے۔ یہ نہ آئے نہ اپنا رک جانے کا سبب پیش کیا نہ حضورؐ سے رک رہنے کی اجازت چاہی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عذر پیش کرنے والے بھی دراصل عذر والے نہ تھے۔ اسی لئے ان کے عذر مقبول نہ ہوئے لیکن پہلا قول پہلا ہی ہے۔ وہی زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب کا حکم بھی ان کے لئے ہوگا جو بیٹھے ہی رہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى
الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ
قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا
مَا يُنْفِقُوْنَ ۭ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ناتواں ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں' کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور ان کے رسولؐ کی خیر خواہی کرتے رہیں' ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں' اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت ورحمت والا ہے ○ ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو تیرے پاس آتے ہیں کہ تو انہیں سواری مہیا کر دے تو تو جواب دیتا ہے کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا تو وہ رنج وغم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں ○ بیشک ان لوگوں پر تو راہ الزام ہے اور انہی پر ہے جو باوجودیکہ دولت مند ہونے کے تجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں' جو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں جن کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے۔ جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں ○

عدم جہاد کے شرعی عذر: ☆☆ (آیت:۹۱) اس آیت میں ان شرعی عذروں کا بیان ہو رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص جہاد میں نہ جائے تو اس پر شرعی حرج نہیں۔ پس ان تینوں میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو لازم ہوتی ہے کسی حالت میں انسان سے الگ نہیں ہوتی جیسے پیدائشی کمزوری یا اندھاپن یا لنگڑاپن' کوئی لولا لنگڑا یا اپاہج' بیمار یا بالکل ہی ناطاقت ہو۔ دوسری قسم کے وہ عذر ہوتے ہیں جو کبھی ہیں اور

کبھی نہیں۔ اتفاقیہ اسباب ہیں مثلاً کوئی بیمار ہوگیا ہے یا بالکل فقیر ہوگیا ہے' سامان سفر' سامان جہاد مہیا نہیں کرسکتا وغیرہ پس یہ لوگ شرکت جہاد نہ کرسکیں تو ان پر شرعاً کوئی مواخذہ' گناہ یا عار نہیں لیکن انہیں اپنے دل میں صلاحیت اور خلوص رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اللہ کے دین کے خیر خواہ بنے رہیں' اوروں کو جہاد پر آمادہ کریں۔ بیٹھے بیٹھے جو خدمت مجاہدین کی انجام دے سکتے ہوں' دیتے رہیں۔ ایسے نیک کاروں پر کوئی وجہ الزام نہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حواریوں نے عیسٰی نبی اللہ سے پوچھا کہ ہمیں بتایئے' اللہ کا خیر خواہ کون ہے؟ آپ فرمایا جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم کرے اور جب ایک کام دین کا اور ایک دنیا کا آجائے تو دینی کام کی اہمیت کا پورا لحاظ رکھے۔ پھر فارغ ہو کر دنیوی کام کو انجام دے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر لوگ نماز استسقاء کے لیے میدان میں نکلے۔ ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء۔ کی پھر فرمایا اے حاضرین' کیا تم یہ مانتے ہو کہ تم سب اللہ کے گنہگار بندے ہو؟ سب نے اقرار کیا۔ پھر آپ نے دعا شروع کی کہ پروردگار ہم نے تیرے کلام میں سنا پڑھا ہے کہ نیک بندوں پر کوئی مشکل نہیں۔ ہم اپنی برائیوں کا اقرار کرتے ہیں۔

پس تو ہمیں معاف فرما' ہم پر رحم فرما' ہم پر اپنی رحمت سے بارشیں برسا۔ اب آپ نے ہاتھ اٹھائے اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اسی وقت جھوم جھوم کر بدلیاں برسنے لگیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' میں حضورؐ کا منشی تھا۔ سورہ برات جب اتر رہی تھی' میں اسے بھی لکھ رہا تھا۔ میرے کان میں قلم اڑا ہوا تھا۔ جہاد کی آیتیں اتر رہی تھیں' حضورؐ منتظر تھے کہ دیکھیں کیا حکم نازل ہوتا ہے؟ اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میں جہاد کے احکام اس اندھاپے میں کیسے بجالاسکتا ہوں؟ اسی وقت یہ آیت اتری۔ پھران کا ذکر ہوتا ہے جو جہاد کے لیے تڑپتے ہیں مگر قدرتی اسباب سے مجبور ہو کر بادل نخواستہ رک جاتے ہیں۔ جہاد کا حکم ہوا۔ حضورؐ کا اعلان ہوا' مجاہدین کا لشکر جمع ہونا شروع ہوا تو ایک جماعت آئی جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بن مقرن مزنی وغیرہ تھے۔ انہوں نے کہا' حضورؐ ہمارے پاس سواریاں نہیں۔ آپ ہماری سواریوں کا انتظام کر دیں تاکہ ہم بھی راہ حق میں جہاد کرنے کا اور آپؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں۔ یہ ناامید ہو کر روتے پیٹتے' غم زدہ اور رنجیدہ ہو کر لوٹے۔ ان پر اس سے زیادہ بھاری بوجھ کوئی نہ تھا کہ یہ اس وقت ہم رکابی کی اور جہاد کی سعادت سے محروم ہوگئے اور عورتوں کی طرح انہیں یہ مدت گھروں میں گذارنی پڑے گی۔ نہ ان کے پاس خود ہی کچھ ہے اور نہ کہیں سے کچھ ملتا ہے۔

پس جناب باری نے ان کو یہ آیت نازل فرما کر ان کی تسکین کردی۔ یہ آیت قبیلہ مزینہ کی شاخ بنی مقرن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ محمد بن کعبؒ کا بیان ہے کہ یہ سات آدمی تھے۔ بنی عمرو کے سالم بن عوف' بنی واقف کے حرمی بن عمرو' بنی مازن کے عبدالرحمٰن بن کعب' بنی معلیٰ کے فضل اللہ' بنی سلمہ کے عمرو بن عثمہ اور عبداللہ بن عمرو مزنی اور بنو حارثہ کے علیہ بن زید۔ بعض روایتوں میں کچھ ناموں میں ہیر پھیر بھی ہے۔ انہی نیک نیت بزرگوں کے بارے میں اللہ کے رسول' رسولوں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واہل بیتہ وسلم کا فرمان ہے کہ اے میرے مجاہد ساتھیو' تم نے مدینے میں جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑے ہیں' ان میں وہ بھی ہیں کہ تم جو خرچ کرتے ہو' جس میدان

میں چلتے ہو' جو جہاد کرتے ہو' سب میں وہ بھی ثواب کے شریک ہیں۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ سن کر صحابہؓ نے کہا کہ وہ باوجود اپنے گھروں میں رہنے کے ثواب میں ہمارے شریک ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں اسی لیے کہ وہ معذور ہیں۔ عذر کے باعث رکے ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے' انہیں بیماریوں نے روک لیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جنہیں فی الواقع کوئی عذر نہیں۔ مالدار ہٹے کٹے ہیں۔ لیکن پھر بھی سرکار نبوت میں آ کر بہانے تراش تراش کر جہاد میں ساتھ نہیں دیتے۔ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ جاتے ہیں' زمین پکڑ لیتے ہیں۔ فرمایا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ کی مہر لگ چکی ہے۔ اب وہ اپنے بھلے برے کے علم سے بھی کورے ہو گئے ہیں۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

جب تم لوٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو یہ تمہارے سامنے آ کر عذر معذرت پیش کرنے لگیں گے' تو کہہ دے کہ عذر معذرت کی باتیں نہ بناؤ۔ ہم تمہاری ان باتوں کا یقین ہرگز نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کچھ احوال ہمیں بتلا دیتے ہیں' اب تمہارے اگلے اعمال اللہ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب حاضر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ آپ تمہیں تمہارے تمام کرتوتوں سے آگاہ کرے گا ○ یہ لوگ تو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھانے لگیں گے۔ جب کہ تم ان کے پاس واپس پہنچو گے اس لئے کہ تم ان سے چشم پوشی کر لو' اچھا تم انہیں منہ لگانا چھوڑ دو۔ یہ بڑے گندے لوگ ہیں۔ ان ٹھکانہ جہنم ہے' جو بدلہ ہے ان کاموں کا جو یہ کرتے رہے ○ یہ تمہیں راضی کرنے کے لئے تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں۔ تو اگر ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نا فرمان' بے حکم لوگوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوتا ○

فاسق اور چوہے کی مماثلت: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۶) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم میدان جہاد سے واپس مدینے پہنچو گے تو سبھی منافق عذر و معذرت کرنے لگیں گے۔ تم ان سے صاف کہہ دینا کہ ہم تمہاری ان باتوں میں نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نیتوں سے ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سب لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ پھر آخرت میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہی ہے۔ وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ تمہارے ایک ایک کام کا بدلہ دے گا۔ خیر و شر کی جزا سزا سب کو بھگتنی پڑے گی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ تم کو راضی کرنے کے لئے اپنی معذوری اور مجبوری کو سچ ثابت کرنے کے لئے قسمیں تک کھائیں گے۔ تم انہیں منہ بھی نہ لگانا۔ ان کے اعتقاد نجس ہیں۔ ان کا باطن باطل ہے۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کی خطاؤں اور گناہوں کا بدلہ ہے۔ سنو کہ ان کی خواہش صرف تمہیں رضامند کرنا ہے اور بالفرض تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ تعالیٰ ان بدکاروں سے کبھی راضی نہیں ہو گا۔

یہ اللہ و رسول کی اطاعت سے باہر ہیں۔ شریعت سے خارج ہیں۔ چوہا چونکہ بل سے بگاڑ کرنے کے لئے نکلتا ہے' اس لئے عرب اسے فویسقه کہتے ہیں۔ اسی طرح خوشے سے جب تری ظاہر ہوتی ہے تو کہتے ہیں فسقت الرطبة پس یہ چونکہ اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں' اس لئے انہیں فاسق کہتے ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ
السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۰

گنوار سخت منکر و منافق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام شریعت اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں یہ اس کے سمجھنے کے بالکل ہی اہل نہیں ہیں' اللہ بہت دانا اور بڑا باحکمت ہے ○ ان بادہ نشینوں میں ایسے بھی ہیں کہ اللہ کی راہ کے خرچ کو ناحق کا تاوان شمار کرتے ہیں اور تم پر مصیبتوں کے آنے کے منتظر ہیں۔ بدترین مصیبت انہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب سننے جاننے والا ہے ○ ہاں! ان دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی خیر خیرات کو اللہ کی نزدیکی کا اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں' ہاں ہاں یہ ان کے لئے اللہ کی نزدیکی ہے۔ اللہ انہیں رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

دیہات' صحرا اور شہر ہر جگہ انسانی فطرت یکساں ہے: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ دیہاتیوں اور صحرا نشین بدوؤں میں کفار و منافق بھی ہیں اور مومن مسلمان بھی ہیں۔ لیکن کافروں اور منافقوں کا کفر و نفاق نہایت سخت ہے۔ ان میں اس بات کی مطلقاً اہلیت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان حدوں کا علم حاصل کریں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہیں چنانچہ ایک اعرابی حضرت زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت یہ اس مجلس میں لوگوں کو کچھ بیان فرما رہے تھے۔ نہاوند والے دن ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اعرابی بول اٹھا کہ آپ کی باتوں سے تو آپ کے لیے محبت میرے دل میں پیدا ہوتی ہے لیکن تمہارا یہ کٹا ہوا ہاتھ مجھے اور ہی شبہ میں ڈالتا ہے۔ آپ نے فرمایا' اس سے تمہیں کیا شک ہوا۔ یہ تو بایاں ہاتھ ہے۔ تو اعرابی نے کہا واللہ مجھے نہیں معلوم کہ دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا بایاں؟ انہوں نے فرمایا' اللہ عز وجل نے سچ فرمایا کہ اعراب بڑے ہی سخت کفر و نفاق والے اور اللہ کی حدود کے بالکل ہی نہ جاننے والے ہیں۔

مسند احمد میں ہے' جو بادیہ نشین ہوا' اس نے ظلم و جفا کی۔ اور جو شکار کے پیچھے پڑ گیا اس نے غفلت کی۔ اور جو بادشاہ کے پاس پہنچا' وہ فتنے میں پڑا۔ ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ چونکہ صحرا نشینوں میں عموماً سختی اور بد خلقی ہوتی ہے اللہ عز وجل نے ان میں سے کسی کو اپنی رسالت کے ساتھ ممتاز نہیں فرمایا بلکہ رسول ہمیشہ شہری لوگ ہوتے رہے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب انسان مرد تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے تھے۔ وہ سب متمدن بستیوں کے لوگ تھے۔ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ انعام دیا جب جا کر بمشکل تمام راضی ہوا۔ آپؐ نے فرمایا اب سے میں نے قصد کیا ہے کہ سوائے قریشی ثقفی' انصاری یا دوسی کے کسی کا تحفہ قبول نہ کروں گا۔ یہ اس لئے کہ یہ چاروں شہروں کے رہنے والے تھے۔ مکہ' طائف' مدینہ اور یمن کے لوگ

تھے- پس یہ فطرتاً ان بادیہ نشینوں کی نسبت سے نرم اخلاق اور دور اندیش لوگ تھے ان میں اعراب جیسی سختی اور کھردرا پن نہ تھا- اللہ خوب جانتا ہے کہ ایمان وعلم عطا فرمائے جانے کا اہل کون ہے؟ وہ اپنے بندوں میں ایمان وکفر، علم وجہل، نفاق واسلام کی تقسیم میں باحکمت ہے- اس کے زبردست علم کی وجہ سے اس کے کاموں کی باز پرس اس سے کوئی نہیں کر سکتا- اور اس کی حکمت کی وجہ سے اس کا کوئی کام بے جا نہیں ہوتا- ان بادیہ نشینوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ کی راہ کے خرچ کو ناحق کا تاوان اور اپنا صریح نقصان جانتے ہیں اور ہر وقت اسی کے منتظر رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر کب بلا ومصیبت آئے- کب تم حوادث وآفات میں گھر جاؤ لیکن ان کی یہ بدخواہی انہی کے آگے آئے گی- انہی پر برائی کا زوال آئے گا- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کا سننے والا ہے- اور خوب جانتا ہے کہ مستحق امداد کون ہے اور ذلت کے لائق کون ہے-

دعاؤں کے طلبگار متبع ہیں، مبتدع نہیں: ☆☆ اعراب کی اس قسم کو بیان فرما کر اب ان میں سے بھلے لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے- وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں- آخرت کو مانتے ہیں- راہ اللہ میں خرچ کر کے اللہ کی نزدیکی تلاش کرتے ہیں- ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی دعائیں لیتے ہیں- بے شک ان کو اللہ کی قربت حاصل ہے- اللہ انہیں اپنی رحمتیں عطا کر دے گا- وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے-

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ سبقت کرنے والے اول والے ہیں، مہاجرین میں سے اور انصار میں سے اور جو نیک کاموں میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں، اللہ ان سب سے خوش ہے اور وہ سب اللہ سے راضی ہیں- ان کے لئے اس نے وہ جنتیں مہیا کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں- یہ ہے پوری پوری کامیابی ○

سابقون کو بشارت: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) اس مبارک آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان مہاجرین وانصار سے جو سبقت لے جانے والوں میں اولین تھے اور ان کی تابعداری کرنے کی وجہ سے انہیں اپنی رضامندی کا اظہار فرما رہا ہے کہ انہیں نعمتوں والی ابدی جنتیں اور ہمیشہ کی نعمتیں ملیں گی- شعبی کہتے ہیں، ان سے مراد وہ مہاجر وانصار ہیں جو حدیبیہ والے سال بیعۃ الرضوان میں شریک تھے- لیکن حضرت ابوموسیٰؓ اشعری وغیرہ سے مروی ہے کہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دریافت فرمایا کہ تمہیں یہ آیت کس نے پڑھائی ہے؟ اس نے کہا، حضرت ابیؓ بن کعب نے- آپؓ نے فرمایا، تم میرے ساتھ ان کے پاس چلو- جب ان کے پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا، تم نے اسے یہ آیت اسی طرح پڑھائی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، آپؓ نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے اسے سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں- آپؓ نے فرمایا، میرا تو خیال تھا کہ جس بلند درجے پر ہم پہنچے ہیں اس پر ہمارے بعد کوئی نہ پہنچے گا- حضرت ابیؓ نے فرمایا، اس آیت کی تصدیق سورہ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ الخ سے اور سورہ حشر کی آیت وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ الخ سے اور سورہ انفال کی آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ سے بھی ہوتی ہے- حضرت حسنؒ وَالْاَنْصَارِ پڑھتے تھے اور وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ پر عطف ڈال کر پڑھتے- اللہ تعالیٰ عظیم وکبیر خبر دیتا ہے کہ وہ سابقین اولین مہاجر وانصار سے خوش ہے اور ان سے بھی خوش جو احسان کے ساتھ ان کے متبع ہیں- افسوس ان پر ہے، خانہ خراب وہ ہیں جو ان سے دشمنی رکھیں- انہیں برا کہیں- یا ان میں سے کسی ایک کو بھی برا کہیں یا اس سے دشمنی رکھیں- خصوصاً تمام صحابہ انصار ومہاجرین کے سردار سب

سے بہتر وافضل صدیق اکبر خلیفہ اعظم حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی بغض رکھے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ بولے اللہ اس سے ناراض ہے۔ رسوائے مخلوق رافضیوں کا بدترین گروہ افضل صحابہ کو برا کہتا ہے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہی بات دلیل ہے اس پر کہ ان کی عقلیں الٹی ہیں اور ان کے دل اوندھے ہیں۔ انہیں قرآن پر ایمان کہاں ہے؟ جب کہ یہ ان پر تبرا بھیجتے ہیں جن کی بابت قرآن اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اظہار کھلے لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ہاں اہلسنت ان سے خوش ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور ان کو برا کہتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برا کہا ہے۔ اللہ کے دوستوں سے وہ محبت کرتے ہیں۔ اللہ کے دشمنوں کے وہ بھی دشمن ہیں۔ وہ متبع ہیں مبتدع نہیں۔ وہ پیروی اور اقتدا کرتے ہیں۔ نافرمانی اور خلاف نہیں کرتے۔ یہی جماعت اللہ تعالیٰ سے کامیابی حاصل کرنے والی ہے اور یہی اللہ کے سچے بندے ہیں۔ کثر هم الله

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ
مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

تمہارے آس پاس کے بادیہ نشستوں میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ انہیں تو نہیں جانتا ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے۔ پھر بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○

منافقت کے خوگر شہری: ☆☆ (آیت: ۱۰۱) اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بتلاتا ہے کہ "مدینے کے اردگرد رہنے والے گنواروں میں اور خود اہل مدینہ میں بہت سے منافق ہیں جو برابر اپنے نفاق کے خوگر ہو چکے ہیں۔" تمر د فلان علی الله اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کرے۔

پھر فرماتا ہے کہ "تم تو انہیں جانتے نہیں۔ ہم جانتے ہیں۔" اور آیت میں ہے "اگر ہم چاہیں تو ان کو تجھے دکھادیں اور تو ان کی علامات اور چہروں سے انہیں پہچان لے۔ یقیناً تو انہیں ان کی باتوں کے لب ولہجے سے جان لے گا۔ غرض ان دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہ سمجھنا چاہئے۔ نشانیوں سے پہچان لینا اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف کا قطعی علم کہ فلاں فلاں منافق ہے یہ اور چیز ہے۔ پس بعض منافق لوگوں کی منافقت حضرت محمد ﷺ پر کھل گئی تھی مگر آپ کا تمام منافقوں کو جاننا ممکن نہ تھا۔ آپ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ مدینے میں بعض منافق ہیں۔ صبح وشام وہ دربار رسالت میں حاضر رہا کرتے تھے اور آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ اس قول کی صحت مسند احمد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مکے کا ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ نے فرمایا' تمہارے پاس تمہارے اجر آ ہی جائیں گے گو تم لومڑی کے بھٹ میں ہو۔ پھر آپ نے ان کے کان سے اپنا منہ لگا کر فرمایا کہ میرے ان ساتھیوں میں بھی منافق ہیں۔

پس مطلب یہ ہوا کہ بعض منافق الٹی سلٹی باتیں بک دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایسی ہی بات ہے۔ آیت وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا کی تفسیر میں ہم کہہ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ یا پندرہ منافقوں کے نام بتلائے تھے۔ پس اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ایک کر کے تمام منافقوں کا آپ کو علم تھا۔ نہیں بلکہ چند مخصوص لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کرادیا تھا۔ واللہ اعلم۔ ابن عساکر میں ہے کہ حرملہ نامی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا' ایمان تو یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اور

نفاق یہاں ہے اور ہاتھ سے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور نہیں ذکر کیا اللہ کا مگر تھوڑا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے دعا کی' اے اللہ اسے ذکر کرنے والی زبان' شکر کرنے والا دل دے اور اسے میری اور مجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت عنایت فرما اور اس کے کام کا انجام بخیر کر۔ اب تو وہ کہنے لگا' یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھی اور بھی ہیں جن کا میں سردار تھا۔ وہ سب بھی منافق ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں بھی لے آؤں۔ آپؐ نے فرمایا' سنو جو ہمارے پاس آئے گا' ہم اس کے لئے استغفار کریں گے اور جو اپنے دین (نفاق) پر اڑا رہے گا' اللہ ہی اس کے ساتھ اولیٰ ہے۔ تم کسی کی پردہ دری نہ کرو۔'' حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تکلف سے اوروں کا حال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے۔ اس سے خود اس کی حالت پوچھو تو یہی کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ حالانکہ انسان اپنی حالت سے بہ نسبت اوروں کی حالت کے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ یہ لوگ وہ تکلف کرتے ہیں جو تکلف انبیاء علیہم السلام نے بھی نہیں کیا۔ نبی اللہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کے اعمال کا مجھے علم نہیں۔ نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ میں تم پر کوئی نگہبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ تو انہیں نہیں جانتا۔ ہم ہی جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے فلاں تو نکل جا۔ تو منافق ہے اور اے فلاں تو بھی یہاں سے چلا جا۔ تو منافق ہے۔ پس بہت سے لوگوں کو آپؐ نے مسجد سے چلے جانے کا حکم فرمایا' ان کا نفاق مسلمانوں پر کھل گیا۔ یہ پورے رسوا ہوئے۔ یہ تو مسجد سے نکل کر جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ آپ ان سے ذرا کترا گئے یہ سمجھ کر کہ شاید نماز ہو چکی اور یہ لوگ فارغ ہو کر جا رہے ہیں اور میں غیر حاضر رہ گیا۔ اور وہ لوگ بھی آپ سے شرمائے یہ سمجھ کر کہ ان پر بھی ہمارا حال کھل گیا ہوگا۔ اب مسجد میں آ کر دیکھا کہ ابھی نماز تو ہوئی نہیں۔ تو ایک شخص نے آپؓ کو کہا' لیجئے خوش ہو جایئے۔ آج اللہ نے منافقوں کو خوب شرمندہ و رسوا کیا۔ یہ تو تھا پہلا عذاب جب کہ حضورؐ نے انہیں مسجد سے نکلوا دیا۔ اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ دو مرتبہ کے عذاب سے مجاہد کے نزدیک مراد قتل و قید ہے۔ اور روایت میں بھوک اور قبر کا عذاب ہے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں' عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے۔ عبدالرحمٰنؒ بن زید فرماتے ہیں' دنیا کا عذاب تو مال و اولاد ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا یعنی '' تجھے ان کا مال اور ان کی اولادیں اچھی نہ لگنی چاہئیں۔ اللہ کا ارادہ تو ان کی وجہ سے انہیں دنیا میں عذاب دینا ہے'' پس یہ مصیبتیں ان کے لئے عذاب ہیں ہاں مومنوں کے لئے اجر و ثواب ہیں۔ اور دوسرا عذاب جہنم کا آخرت کے دن ہے۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں '' پہلا عذاب تو یہ کہ اسلام کے احکام بظاہر ماننے پڑے۔ اس کے مطابق عمل کرنا پڑا جو دلی منشا کے خلاف ہے۔ دوسرا عذاب قبر کا۔ پھر ان دونوں کے سوا دائمی جہنم کا عذاب۔'' قتادہ کہتے ہیں '' عذاب دنیا اور عذاب قبر پر عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جانا ہے۔'' مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہوگا جو جہنم کی آگ کا انگارا ہوگا۔ جو ان کے شانے پر ظاہر ہوگا اور سینے تک پہنچ جائے گا۔ اور چھ بری موت مریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کوئی ایسا ویسا داغدار شخص مرا ہے تو انتظار کرتے کہ اس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے تو آپ بھی پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں بھی ان میں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا' نہیں آپ ان منافقوں میں نہیں۔ اور آپ کے بعد مجھے اس سے کسی پر بے خوفی نہیں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا خود اقرار کر لیا ہے۔ انہوں نے نیک عمل کو دوسرے برے عمل سے خلط ملط کر دیا ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

تساہل اور سستی سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۰۲) منافقوں کا حال اوپر کی آیتوں میں بیان فرمایا جو اللہ کی راہ کے جہاد سے بے ایمانی، شک اور جھٹلانے کے طور پر جی چراتے ہیں اور شامل نہیں ہوتے۔ اس آیت میں ان کا بیان ہو رہا ہے جو ہیں تو ایمان دار اور سچے پکے مسلمان لیکن سستی اور طلب راحت کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہوئے۔ انہیں ایک تو اپنے گناہوں کا اقرار ہے، اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی نیکیاں بھی ہیں۔ پس یہ نیکی بدی والے لوگ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہیں۔ اس کی معافی اور درگذر کے ماتحت ہیں۔ یہ آیت گو معین لوگوں کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ ہر مسلمان جو نیکی کے ساتھ بدی میں بھی ملوث ہو وہ اللہ کے سپرد ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب کہ انہوں نے بنو قریظہ سے کہا تھا کہ ذبح ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ یہ لوگ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ اور بھی پانچ یا سات یا نو آدمی تھے۔ جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو ان بزرگوں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستونوں سے باندھ دیا تھا کہ جب تک خود رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے، ہم اس قید سے آزاد نہ ہوں گے۔ جب یہ آیت اتری حضورؐ نے خود آپ ان کے بندھن کھولے اور ان سے درگذر فرما لیا۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میرے پاس آج رات کو دو آنے والے آئے۔ جو مجھے اٹھا کر لے چلے ہم ایک شہر میں پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا وہاں ہمیں چند ایسے لوگ ملے جن کا آدھا دھڑ تو بہت ہی سڈول نہایت خوشنما اور خوبصورت تھا اور آدھا نہایت ہی برا اور بدصورت۔ ان دونوں نے ان سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ گئے اور غوطہ لگا کر واپس آئے تو وہ برائی ان سے دور ہو گئی تھی اور وہ نہایت خوبصورت اور اچھے ہو گئے تھے۔ پھر ان دونوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ جنت عدن ہے۔ یہی آپ کی منزل ہے۔ اور جنہیں آپ نے ابھی دیکھا یہ وہ لوگ ہیں جو نیکیوں کے ساتھ بدیاں بھی ملائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے درگذر فرما لیا اور انہیں معاف فرمایا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو اسی طرح مختصراً ہی روایت کیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

ان کے مال سے صدقہ لے کہ اس سے تو انہیں پاک صاف کر دے اور ان کے لئے دعائے خیر کر، تیری دعا ان کے لئے تسکین و آرام ہے، اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقہ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○

صدقہ مال کا تزکیہ ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۳-۱۰۴) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ ان کے مالوں کا صدقہ لیا کریں- تا کہ اس وجہ سے انہیں پاکی اور ستھرائی حاصل ہو- اس کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی نیکیوں کے ساتھ کچھ برائیاں بھی کر لی تھیں- لیکن حکم اس کا عام ہے- عرب کے بعض قبیلوں کو اسی سے دھوکا ہوا تھا کہ یہ حکم خاص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ' اسی وجہ سے انہوں نے خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیق کو (زکوۃ کو فرض مان کر) زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا- جس پر آپؓ نے مع باقی صحابہؓ کے ان سے لڑائی کی کہ وہ زکوۃ خلیفۃ الرسول کو اسی طرح ادا کریں جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے- یہاں تک کہ اگر وہ ایک بچہ اونٹنی کا یا ایک رسی بھی نہ دیں گے تو بھی میں ان سے لڑائی جاری رکھوں گا- حکم ہوتا ہے کہ ان سے زکوۃ لے اور ان کے لئے دعائیں کر-

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے والد آپؐ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو حسب عادت آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ آل ابی اوفی پر اپنی رحمتیں نازل فرما- اسی طرح جب آپ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپؐ ان کے لئے دعا فرماتے- ایک عورت نے آپؐ سے آ کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے دعا کیجئے- آپؐ نے فرمایا صلی اللہ علیك وعلی زوجك صَلٰوتَكَ کی اور قرات صَلٰوتُكَ ہے- پہلی قرات مفرد کی ہے دوسری جمع کی ہے- فرماتا ہے کہ تیری دعا ان کے لئے اللہ کی رحمت کا باعث ہے- اور ان کے وقار و عزت کا سبب ہے- اللہ تعالیٰ تیری دعاؤں کا سننے والا ہے- اور اسے بھی وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون ان دعاؤں کا مستحق ہے اور کون اس کا اہل ہے- مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لئے دعا کرتے تو اسے اور اس کی اولاد کو اور اس کی اولاد کی اولاد کو پہنچتی تھی- پھر فرمایا' کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور وہی ان کے صدقات لیتا ہے اس میں بندوں کو توبہ اور صدقے کی طرف بہت زیادہ رغبت دلائی ہے- یہ دونوں چیزیں گناہوں کو دور کر دینے والی' انہیں معاف کرانے والی اور ان کو مٹا دینے والی ہیں- توبہ کرنے والوں کی توبہ اللہ عزوجل قبول فرماتا ہے- اور حلال کمائی سے صدقہ دینے والوں کا صدقہ اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر صدقہ کرنے والے کے لئے اسے پالتا ہے- یہاں تک کہ ایک کھجور کو احد کے پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے-

چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ صدقہ قبول فرماتا ہے- اپنے دائیں ہاتھ میں اسے لیتا ہے اور جس طرح تم اپنے کو پالتے ہو' اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک ایک کھجور احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے- اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ عزوجل کی کتاب میں بھی موجود ہے- پھر اسی آیت کا یہی جملہ آپ نے تلاوت فرمایا- اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی- یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ یعنی سود کو اللہ تعالیٰ گھٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' صدقہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں جاتا ہے اس سے پہلے کہ وہ سائل کے ہاتھ میں جائے- پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی- ابن عساکر میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں نے جہاد کیا جس میں ان پر حضرت عبدالرحمن بن خالد امام تھے- مسلمانوں میں سے ایک شخص نے مال غنیمت میں سے ایک سو رومی دینار چرا لئے- جب لشکر وہاں سے لوٹ کر واپس آ گیا تو اسے سخت ندامت ہوئی- وہ ان دیناروں کو لے کر امام کے پاس آیا لیکن انہوں نے ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اب لے کر کیا کروں؟ لشکر تو متفرق ہو گیا- کیسے بانٹ سکتا ہوں؟ اب تو تو اسے اپنے پاس ہی رہنے دے- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس

ہی لانا۔ اس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے پوچھنا شروع کیا لیکن ہر ایک یہی جواب دیتا رہا۔ یہ مسکین ان دیناروں کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا اور ہر چند کہا کہ آپ انہیں لے لیجئے لیکن آپ نے بھی نہ لئے۔ اب تو یہ روتا پیٹتا وہاں سے نکلا۔ راستے میں اسے حضرت عبداللہ بن شاعر سکسکی رحمتہ اللہ علیہ ملے۔ یہ مشہور دمشقی ہیں اور اصل میں حمص کے ہیں۔ یہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس شخص نے اپنا تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جو میں کہوں گا' وہ کرو گے بھی؟ اس نے کہا یقیناً۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور خمس تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے آؤ۔ یعنی بیس دینار۔ اور باقی کے اسی دینار اللہ کی راہ میں اس پورے لشکر کی طرف سے خیرات کر دو۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے نام اور مکان جانتا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس شخص نے یہی کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا واللہ مجھے اگر یہ مسئلہ سوجھ جاتا اور میں اسے یہ فتویٰ دے دیتا تو مجھے اپنی ساری سلطنت اور ملکیت سے زیادہ محبوب تھا۔ اس نے نہایت اچھا فتویٰ دیا۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾

کہہ دے کہ تم عمل کئے جاؤ۔ تمہارے عمل اللہ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایماندار بھی' پھر تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپے کھلے کا جاننے والا ہے۔ وہ تمہیں جتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے ○

اپنے اعمال سے ہوشیار رہو: ☆☆ (آیت:۱۰۵) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ ان کے اعمال اللہ کے سامنے ہیں۔ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے سامنے قیامت کے دن کھلنے والے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا اور پوشیدہ سے پوشیدہ عمل بھی اس دن سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ تمام اسرار کھل جائیں گے۔ دلوں کے بھید ظاہر ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں پر بھی ان کے اعمال دنیا میں ہی ظاہر کر دیتا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی ٹھوس پتھر میں گھس کر جس کا نہ دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو' کوئی عمل کرے' اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا خواہ کیسا ہی عمل ہو۔

ابوداؤد طیالسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے قبیلوں اور برادریوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ لوگ اپنی قبروں میں خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ برے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں الٰہی انہیں توفیق دے کہ یہ تیرے فرمان پر عامل بن جائیں۔ مسند احمد میں بھی یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے خویش و اقارب مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے سوا ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یا اللہ انہیں موت نہ آئے جب تک کہ تو انہیں ہدایت عطا نہ فرما جیسے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی (لیکن ان روایتوں کی سندیں قابل غور ہیں)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تجھے کسی شخص کے نیک اعمال بہت اچھے لگیں تو تو کہہ دے کہ اچھا ہے۔ عمل کئے چلے جاؤ۔ اللہ اور اس کا رسول اور مومن تمہارے اعمال عنقریب دیکھ لیں گے۔ ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کی آئی

ہے۔ اس میں ہے کسی کے اعمال پر خوش نہ ہو جاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا خاتمہ کس پر ہوتا ہے؟ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک زمانہ دراز تک نیک عمل کرتا رہتا ہے کہ اگر وہ اس وقت مرتا تو قطعاً جنتی ہو جاتا۔ لیکن پھر اس کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ بداعمالیوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک لمبی مدت تک برائیاں کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی حالت میں مرے تو جہنم میں ہی جائے لیکن پھر اس کا حال بدل جاتا ہے اور نیک عمل شروع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کی موت سے پہلے عامل بنا دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم اس کا مطلب نہیں سمجھے آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اسے توفیق خیر عطا فرماتا ہے اور اس پر اسے موت آتی ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰۶ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷

اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں پڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر کہ وہ یا تو انہیں عذاب کرے یا انہیں معاف فرما دے اللہ تعالیٰ کامل علم و حکمت والا ہے ○ جن لوگوں نے مسجد بنائی ہے تکلیف پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور شروع سے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑ رہے ہیں انہیں گھات لگانے کا موقعہ دینے کے لئے' وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف بھلائی کا ہی تھا لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ محض جھوٹے ہیں ○

(آیت:۱۰۶) اس سے مراد وہ تین بزرگ صحابہ ہیں جن کی توبہ ڈھیل میں پڑ گئی تھی۔ حضرت مرارہ بن ربیع حضرت کعب بن مالک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ شک اور نفاق کے طور پر نہیں۔ بلکہ سستی راحت طلبی پھلوں کی پختگی سائے کے حصول وغیرہ کے لئے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنے تئیں مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جیسے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔ اور کچھ لوگوں نے ایسا نہیں کیا تھا ان میں یہ تینوں بزرگ تھے۔ پس اوروں کی توبہ قبول ہو گئی اور ان تینوں کا کام پیچھے ڈال دیا گیا یہاں تک کہ آیت لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ الخ' نازل ہوئی جو اس کے بعد آ رہی ہے۔ اور اس کا پورا بیان بھی حضرت کعب بن مالک کی روایت میں آ رہا ہے۔ یہاں فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے ارادے پر ہیں اگر چاہے سزا دے اگر چاہے معافی دے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ سزا کے لائق کون ہے۔ اور مستحق معافی کون ہے؟ وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی معبود نہ اس کے سوا کوئی مربی۔

ایک قصہ ایک عبرت' مسجد ضرار: ☆☆ (آیت:۱۰۷) ان پاک آیتوں کا سبب نزول سنئے! رسول اللہ ﷺ مکے شریف سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔ اس سے پہلے مدینے میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا۔ یہ خزرج کے قبیلے میں سے تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں نصرانی بن گیا تھا' اہل کتاب کا علم بھی پڑھا تھا۔ عابد بھی تھا۔ اور قبیلہ خزرج اس کی بزرگی کا قائل تھا۔ جب حضور ﷺ یہاں آئے' مسلمانوں کا اجتماع آپ کے پاس ہونے لگا' یہ قوت پکڑنے لگے یہاں تک کہ بدر کی لڑائی ہوئی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں غالب رکھا تو یہ جل بھن گیا۔ کھلم کھلا مخالفت و عداوت کرنے لگا اور یہاں سے بھاگ کر کفار مکہ سے مل گیا۔ اور انہیں مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر آمادہ کرنے

لگا- یہ تو عداوت اسلام میں پاگل ہو رہے تھے- تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ عرب کے اور بھی بہت سے قبائل کو ملا کر جنگ کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور میدان احد میں جم کر لڑے- اس لڑائی میں مسلمانوں کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے- ان کا پورا امتحان ہو گیا- گو انجام کار مسلمانوں کا ہی بھلا ہو- اور عاقبت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہے- اسی فاسق نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بہت سے گڑھے کھود رکھے تھے جن میں سے ایک میں اللہ کے رسول محترم ﷺ گر پڑے- چہرے پر زخم آئے- سامنے سے نیچے کی طرف کے چار دانت ٹوٹ گئے- سر بھی زخمی ہوا- صلوات اللہ وسلامہ علیہ- شروع لڑائی کے وقت ہی ابو عامر فاسق اپنی قوم کے پاس گیا اور بہت ہی خوشامد اور چاپلوسی کی کہ تم میری مدد اور موافقت کرو- لیکن انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے- تو نامراد ہے- اے بدکار اے اللہ کے دشمن تو ہمیں راہ حق سے بہکانے کو آیا ہے؟ الغرض برا بھلا کہہ کر ناامید کر دیا گیا- یہ لوٹا اور یہ کہتا ہوا کہ میری قوم تو میرے بعد بہت ہی شریر ہو گئی ہے- مدینے میں اس نابکار کو رسول اللہ ﷺ نے بہت سمجھایا تھا-

قرآن پڑھ پڑھ کر نصیحت کی تھی اور اسلام کی رغبت دلائی تھی لیکن اس نے نہ مانا تھا- تو حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کہیں دور دراز ذلت وحقارت کے ساتھ موت دے- جب اس نے دیکھا کہ احد میں بھی اس کی چاہت پوری نہ ہوئی اور اسلام کا کلمہ بلندی پر ہی ہے تو یہ یہاں سے شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا اور اسے رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کے لئے آمادہ کیا- اس نے بھی اس سے وعدہ کر لیا اور تمنائیں دلائیں- اس وقت اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو جو منافقانہ رنگ میں مدینے شریف میں رہتے سہتے تھے اور جن کے دل اب تک شک وشبہ میں تھے' لکھا کہ اب میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دوں گا- میں نے ہرقل کو آمادہ کر دیا ہے- وہ لشکر جرار لے کر چڑھائی کرنے والا ہے- مسلمانوں کو ناکوں چنے چبوا دے گا اور ان کا بیج بھی باقی نہ رکھے گا- تم ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کرو تا کہ میرے قاصد جو آئیں' وہ وہیں ٹھہریں- وہیں مشورے ہوں اور ہمارے لئے وہ پناہ کی اور گھات لگانے کی محفوظ جگہ بن جائے- انہوں نے مسجد قبا کے پاس ہی ایک اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لئے آنحضرت ﷺ کی روانگی سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط اور پختہ بنا لیا- اور آ کر آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ہماری مسجد میں تشریف لائیے اور نماز ادا کیجئے- تا کہ ہمارے لئے یہ بات حجت ہو جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں- ضعیف اور کمزور لوگوں کو دور جانے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی- خصوصاً جاڑے کی راتوں میں کمزور اور بیمار اور معذور لوگ دور دراز کی مسجد میں بڑی دقت سے پہنچتے ہیں- اس لئے ہم نے قریب ہی یہ مسجد بنا لی ہے- آپؐ نے فرمایا' اس وقت تو سفر در پیش ہے پابہ رکاب ہوں ان شاء اللہ واپسی میں سہی- اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کفر کے مورچے سے بچا لیا- جب میدان تبوک سے آپؐ سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے-

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

دیکھ تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا' جس مسجد کی بنیاد اول دن سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہی زیادہ حقدار ہے کہ تو وہاں کھڑا ہو- اس میں وہ لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے ○

(آیت:۱۰۸) ابھی مدینے شریف سے ایک دن یا کچھ کم کے فاصلے پر تھے کہ وحی اللہ نازل ہوئی اور اس مسجد ضرار کی حقیقت آپ پر ظاہر کر دی گئی۔ اور اس کے بانیوں کی نیت کا بھی علم آپ کو کرا دیا گیا۔ اور وہاں کی نماز سے روک کر مسجد قبا میں جس کی بنیاد خوف الٰہی پر رکھی گئی تھی نماز پڑھنے کا حکم صادر ہوا۔ پس آپ نے وہیں سے مسلمانوں کو بھیج دیا کہ جاؤ میرے پہنچنے سے پہلے اس مسجد کو توڑ دو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ابو عامر خبیث ان انصاریوں سے کہہ گیا تھا کہ تم مسجد کے نام سے عمارت بنا لو اور جو تم سے ہو سکے تیاری کر رکھو۔ ہتھیار وغیرہ مہیا کر لو۔ میں شاہ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے مدد لے کر محمد اور اس کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال دوں گا۔ پس یہ لوگ جب یہ مسجد تیار کر چکے' حضورؐ سے کہا کہ ہماری چاہت ہے کہ آپؐ ہماری اس مسجد میں تشریف لاویں۔ وہاں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں' پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اس مسجد میں ہرگز کھڑے بھی نہ ہونا۔ اور روایت میں ہے کہ جب آپ ذی اوان میں اترے اور مسجد کی اطلاع ملی تو آپ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان کے بھائی عمر بن عدی کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان ظالموں کی مسجد میں جاؤ اور اسے گرا دو بلکہ جلا دو۔ یہ دونوں بزرگ تابڑ توڑ جلدی جلدی چلے۔ سالم بن عوف کے محلے میں جا کر حضرت مالکؓ نے حضرت معنؓ سے فرمایا' آپ یہیں ٹھہریئے۔ یہ میرے قبیلے کے لوگوں کے مکان ہیں۔ یہاں سے آگ لاتا ہوں۔ چنانچہ گئے اور ایک کھجور کا سلگتا ہوا تنا لے آئے' اور سیدھے اس مسجد ضرار میں پہنچ کر اس میں آگ لگا دی اور کدال چلانی شروع کر دی وہاں جو لوگ تھے' ادھر ادھر بھاگ گئے اور ان بزرگوں نے اسی عمارت کو جڑ سے کھود ڈالا۔

پس اس بارے میں یہ آیتیں اتری ہیں۔ اس کے بانی بارہ شخص تھے۔ خذام بن خالد بنو عبید بن زید میں سے جو بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ اسی کے گھر میں سے مسجد شقاق نکلی تھی۔ اور ثعلبہ بن حاطب جو بنی عبید میں سے تھا اور بنو امیہ کے موالی جو ابولبابہ بن عبد المنذر کے قبیلے میں سے تھے۔ قرآن فرماتا ہے کہ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہماری نیت نیک تھی۔ لوگوں کے آرام کی غرض سے ہم نے اسے بنایا ہے۔ لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ بلکہ انہوں نے مسجد قبا کو ضرر پہنچانے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور مومنوں میں جدائی ڈالنے اور اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں کو پناہ دینے کے لئے اسے بنایا ہے۔ یہ کمین گاہ ہے' ابو عامر فاسق کی جو لوگوں میں راہب مشہور ہے۔ اللہ کی لعنتیں اس پر نازل ہوں۔ فرمان ہے ''کہ تو ہرگز اس مسجد میں نہ کھڑا ہونا۔'' اس فرمان میں آپ کی امت بھی داخل ہے۔ انہیں بھی اس مسجد میں نماز پڑھنی حرام قرار دی گئی۔ پھر رغبت دلائی جاتی ہے کہ مسجد قبا میں نماز ادا کرو۔ جس کی بنیاد اللہ کے ڈر پر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر رکھی گئی ہے اور مسلمانوں کے اتفاق پر اور ان کی خیر خواہی پر بنائی گئی ہے۔ اسی مسجد میں تمہارا نمازیں پڑھنا درست اور حق بجانب ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار اور پیدل اس مسجد میں آیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینے شریف پہنچے اور بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور اس پاک مسجد کی نیو رکھی' اس وقت خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قبلہ کی جہت معین کی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابوداؤد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' آیت فیہ رجال مسجد قبا والوں کے بارے میں اتری ہے۔ وہ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ طبرانی میں ہے' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے عویم بن ساعدہؓ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ آخر یہ کون سی طہارت ہے جس کی ثنا اللہ رب العزت بیان فرما رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے جو مرد و عورت پاخانے سے نکلتا ہے' وہ پانی سے استنجا کیا کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بس یہی وہ طہارت ہے۔ مسند احمد

میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے بیان میں تمہاری طہارت کی آج تعریف کی ہے تو بتلاؤ کہ تمہاری وہ طہارت کیسے ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں اور تو کچھ معلوم نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اپنے پڑوسی یہودیوں کی نسبت جب سے یہ معلوم کیا کہ وہ پاخانے سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں' ہم نے اس وقت سے اپنا یہی وطیرہ کر لیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ سوال حضرت عویم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پانی سے طہارت کرنا ہی وہ پاکیزگی تھی جس کی تعریف اللہ عزوجل نے کی۔ اور روایت میں ان کے جواب میں ہے کہ ہم توراۃ کے حکم کی رو سے پانی سے استنجا کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ الغرض جس مسجد کا اس آیت میں ذکر ہے' وہ مسجد قبا ہے۔ اس کی تصریح بہت سے سلف صالحین نے کی ہے۔ لیکن ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ تقویٰ پر بننے والی مسجد مسجد نبوی ہے جو مدینے شریف کے درمیان ہے۔ غرض ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں جب کہ مسجد قبا شروع دن سے تقویٰ کی بنیادوں پر ہے تو مسجد نبوی اس وصف کی اس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جو مسجد اللہ کے ڈر پر بنائی گئی ہے' وہ یہ میری مسجد ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ دو شخصوں میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ اس آیت میں کونسی مسجد مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' وہ میری یہ مسجد ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا قول تھا کہ یہ مسجد مسجد قبا ہے اور دوسرے کا قول تھا کہ یہ مسجد مسجد نبوی ہے۔ یہ حدیث ترمذی' نسائی وغیرہ میں ہے۔ ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو بنو خدرہ قبیلے کا تھا اور دوسرا بنو عمرو بن عوف میں سے تھا۔ خدری کا دعویٰ تھا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور عمری کہتا تھا' مسجد قبا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر دریافت فرماتے ہیں کہ وہ مسجد کہاں ہے جس کی بنیادیں شروع سے ہی پرہیزگاری پر ہیں۔ آپؐ نے کچھ کنکر اٹھا کر انہیں زمین پر پھینک کر فرمایا' وہ تمہاری یہی مسجد ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ سلف کی اور خلف کی ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے (اس سے مراد یہ دونوں مسجدیں ہیں۔ واللہ اعلم) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ جن اگلی مسجدوں کی پہلے دن سے بنیاد اللہ کے تقویٰ پر رکھی گئی ہو' وہاں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور جہاں اللہ کے نیک بندوں کی جماعت ہو جو دین کے حامل ہوں' وضو اچھی طرح کرنے والے ہوں' کامل طہارت کے ساتھ رہنے والے ہوں' گندگیوں سے دور ہوں' ان کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔

مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی جس میں سورہ روم پڑھی۔ اس میں آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا' قرآن کریم کی قرات میں خلط ملط ہو جانے کا باعث تم میں سے وہ لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ ہمارے ساتھ کے نمازیوں کو وضو نہایت عمدہ کرنا چاہئے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ طہارت کا کمال اللہ کی عبادتوں کے بجالانے انہیں پوری کرنے اور کامل کرنے اور شرعی حیثیت سے بجالانے' میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ پانی سے استنجا کرنا بے شک طہارت ہے۔ لیکن اعلیٰ طہارت گناہوں سے بچنا ہے۔ حضرت اعمش فرماتے ہیں' گناہوں سے توبہ کرنا اور شرک سے بچنا پوری پاکیزگی ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی کہ جب اہل قبا سے ان کی اس اللہ کی پسندیدہ طہارت کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے جواب میں پانی سے استنجا کرنا بیان کیا۔ پس یہ آیت ان کے حق میں اتری ہے۔ بزار میں ہے کہ انہوں نے کہا' ہم پتھروں سے صفائی کر

کے پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں محمد بن عبدالعزیز کا زہری سے تفرد ہے اور ان سے بھی ان کے بیٹے کے سوا اور کوئی راوی نہیں۔ اس حدیث کو ان لفظوں سے میں نے یہاں صرف اس لئے وارد کیا ہے کہ فقہا میں یہ مشہور ہے لیکن محدثین کل کے کل اسے معروف نہیں بتاتے۔ خصوصاً متاخرین لوگ۔ واللہ اعلم۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِيْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳/۱۱

کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے ڈر پر رکھی' بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر پڑنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی جو اسے جہنم کی آگ میں لے گری۔ اللہ تعالیٰ ناانصافوں کی رہبری نہیں فرماتا ○ ان کی بنائی ہوئی یہ عمارت تو ہمیشہ کیلئے ان کے دلوں میں شک وشبہ کا باعث ہی رہے گی ہاں یہ اور بات ہے کہ انکے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' اللہ خوب جاننے والا اور کامل حکمتوں والا ہے ○

(آیت:۱۰۹-۱۱۰) وہ کہ جس نے اللہ کے ڈر اور اللہ کی رضا کی طلب کے لئے بنیاد رکھی اور جس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور پھوٹ ڈلوانے اور مخالفین اللہ ورسول کو پناہ دینے کے لئے بنیاد رکھی' یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ تو اپنی بنیاد اس خندق کے کنارے پر رکھتے ہیں جس میں آگ بھری ہوئی ہو اور ہو بھی وہ بنیاد ایسی کمزور کہ آگ میں جھک رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک دن وہ آگ میں گر پڑے گی۔ ظالموں اور فسادیوں کے کام کبھی نیک نتیجہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اس مسجد کو توڑا اور اس کی بنیادیں اکھیڑ پھینکیں' انہوں نے اس کے نیچے سے دھواں اٹھتا پایا۔ خلف بن یامین کہتے ہیں' میں نے منافقوں کی اس مسجد ضرار کو جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے' دیکھا ہے کہ اس کے ایک پتھر سے دھواں نکل رہا تھا۔ اب وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ ان کے اس بدکرتوت کی وجہ سے ان کے دل میں نفاق جگہ پکڑ گیا ہے جو کبھی بھی ٹلنے والا نہیں۔ یہ شک وشبہ میں ہی رہیں گے جیسے کہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا۔ ان کے دلوں میں بھی اس کی محبت گھر کر گئی تھی۔ ہاں جب ان کے دل پاش پاش ہو جائیں یعنی وہ خود مر جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے خبردار ہے۔ اور خیر وشر کا بدلہ دینے میں باحکمت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' پھر مارتے ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے توراۃ میں اور انجیل میں اور قرآن میں بھی۔ اللہ سے زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہیے جو تم نے کی ہے۔ یہی ہے زبردست کامیابی ○

مجاہدین کے لیے استثنائی انعامات: ☆☆ (آیت:۱۱۱) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن بندے جب راہ حق میں اپنے مال اور اپنی جانیں دیں' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم سے انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ بندہ اپنی چیز جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے' اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کی اس اطاعت گذاری سے مالک الملک خوش ہو کر اس پر اپنا اور فضل کرتا ہے۔ سبحان اللہ کتنی زبردست اور گراں قیمت چیز پروردگار کیسی حقیر چیز پر دیتا ہے۔ دراصل ہر مسلمان اللہ سے یہ سودا کر چکا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اسے پورا کرے یا یونہی اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے دنیا سے اٹھ جائے۔ اسی لئے مجاہدین جب جہاد کے لئے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے بیوپار کیا۔ یعنی وہ خرید فروخت جسے وہ پہلے سے کر چکا تھا' اس نے پوری کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں شرط منوالیں۔ آپؐ نے فرمایا' میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط قبول کراتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرنا۔ اور اپنے لئے تم سے اس بات کی پابندی کراتا ہوں کہ جس طرح اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہو' میری بھی حفاظت کرنا۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا جب ہم یونہی کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا جنت۔ یہ سنتے ہی خوشی سے کہنے لگے' واللہ اس سودے میں تو ہم بہت ہی نفع میں رہیں گے۔ بس اب پختہ بات ہے نہ ہم اسے توڑیں گے نہ توڑنے کی درخواست کریں گے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے کہ ہم مارے جائیں گے نہ اللہ کے دشمنوں پر وار کرنے میں انہیں تامل ہوتا ہے۔ مرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ ایسوں کے لئے یقیناً جنت واجب ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص راہ اللہ میں نکل کھڑا ہو' جہاد کے لئے' رسولوں کی سچائی مان کر' اسے یا تو فوت کر کے بہشت بریں میں اللہ تبارک و تعالیٰ لے جاتا ہے یا پورے پورے اجر اور بہترین غنیمت کے ساتھ واپس اسے لوٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمے ضروری کرلی ہے اور اپنے رسولوں پر اپنی بہترین کتابوں میں نازل بھی فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ پر اتری ہوئی تورات میں حضرت عیسیٰؑ پر اتری ہوئی انجیل میں اور حضرت محمدؐ پر اترے ہوئے قرآن میں اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اللہ سے زیادہ وعدوں کا پورا کرنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ نہ اس سے زیادہ سچائی کسی کی باتوں میں ہوتی ہے۔ جس نے اس خرید و فروخت کو پورا کیا' اس کے لئے خوشی ہے اور مبارکباد ہے۔ وہ کامیاب ہے۔ اور جنتوں کی ابدی نعمتوں کا مالک ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾

یہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت گزار اللہ کی تعریفیں کرنے والے اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع سجدوں میں مشغول رہنے والے اچھے کاموں کا حکم کرنے والے بری باتوں سے روکنے والے اللہ تعالیٰ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں تو ان مسلمانوں کو بشارتیں سنا دے O

مومنین کی صفات: ☆☆ (آیت:۱۱۲) جن مومنوں کا اوپر ذکر ہوا ہے' ان کی پاک اور بہترین صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں' برائیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔' اپنے رب کی عبادت پر جمے رہتے ہیں' ہر قسم کی عبادتوں کی حفاظت کرتے ہیں' قولی عبادت ہو یا فعلی' یہ بجالاتے ہیں چونکہ قولی عبادتوں میں خاص طور پر قابل ذکر چیز اللہ کی حمد و ثنا ہے اس لئے وہ اس کی حمد بکثرت ادا کرتے ہیں۔ اور فعلی عبادتوں میں خصوصیت کے ساتھ افضل عبادت روزہ ہے۔ اس لئے وہ اسے بھی اچھائی سے رکھتے ہیں۔ کھانے کو پینے کو جماع کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہی مراد لفظ سائحون سے یہاں ہے۔ یہی وصف آنحضرت ﷺ کی بیویوں کا قرآن نے بیان فرمایا ہے اور یہی لفظ سائحات وہاں بھی ہے۔ رکوع وسجود کرتے رہتے ہیں یعنی نماز کے پابند ہیں۔ ان اللہ کی عبادتوں کے ساتھ ہی ساتھ مخلوق کے نفع سے بھی غافل نہیں۔ اللہ کی اطاعت کا ہر ایک کو حکم کرتے ہیں۔ برائیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ خود علم حاصل کر کے بھلائی برائی میں تمیز کر کے احکام الٰہی کی حفاظت کر کے پھر اوروں کو بھی اس کی رغبت دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق کی حفاظت دونوں زیر نظر رہتے ہیں۔ یہی باتیں ایمان کی ہیں اور یہی اوصاف مومنوں کے ہیں۔ انہیں خوش خبریاں ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ سیاحت سے مراد روزہ لیتے ہیں۔ اسی طرح ابن عباسؓ بھی بلکہ آپؐ سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے' وہاں یہی مطلب ہے۔ ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت روزہ ہے۔ مجاہد' سعید' عطا' عبدالرحمٰن' ضحاک' سفیان وغیرہ کہتے ہیں کہ مراد سَآئِحُوْنَ سے صائمون ہے۔ یعنی جو روزے رمضان کے رکھیں۔ ابو عمرو کہتے ہیں' روزہ پر دوام کرنے والے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ مراد سَّآئِحُوْنَ سے روزے دار ہیں لیکن اس حدیث کا موقوف ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس لفظ کا مطلب پوچھا گیا تو آپؐ نے یہی فرمایا۔ تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور تو یہی قول ہے اور ایسی دلیلیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مراد سیاحت سے اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یا رسول اللہ مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں سیاحت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلے اپنی راہ کا جہاد اور ہر اونچائی پر اللہ اکبر کہنا عطا فرمایا ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' مراد اس سے علم دین کے طالب علم ہیں۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں' اللہ کی راہ کے مہاجر ہیں۔ بعض لوگ صوفیہ طبقہ کے جو اس سے مراد لیتے ہیں کہ زمین کی سیر کرنی' سفر میں رہنا' ادھر ادھر جانا آنا' پہاڑوں دروں' جنگلوں اور بنوں میں پھرنا' اس کا نام سیاحت ہے۔ یہ محض غلط فہمی ہے یہ سیاحت مشروع نہیں۔ ہاں خدانخواستہ اگر بستی میں رہنے سے دین میں کوئی فتنہ پڑنے کا اندیشہ ہو تو اور بات ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' قریب ہے کہ مومن کا سب سے بہتر مال بکریاں بن جائیں جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں میں پڑا رہے۔ اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگتا اور بچتا رہے۔ اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے یعنی بقول ابن عباس اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے والے۔ بقول حسن بصری فرائض کی پابندی کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجالانے والے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا
أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾
وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا
إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ
حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

نبی کو اور ایمان داروں کو یہ لائق ہی نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں؟ اس کے بعد کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں ○ ابراہیم کا اپنے والد کے لئے استغفار تو صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکا تھا' پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ دشمن رب ہے تو وہ اسی وقت اس سے بیزار ہو گیا' ابراہیم تو بڑا ہی نرم دل' بردبار تھا ○

مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی نبی اکرم ﷺ کو ممانعت: ☆☆ (آیت:۱۱۳-۱۱۴) مسند احمد میں ہے کہ ابو طالب کی موت کے وقت اس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے- وہاں اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا- آپؐ نے فرمایا' چچا لا الہ الا اللہ کہہ لے- اس کلمے کی وجہ سے اللہ عزوجل کے ہاں میں تیری سفارش تو کر سکوں- یہ سن کر ان دونوں نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تو عبدالمطلب کے دین سے پھر جائے گا؟ اس پر اس نے کہا کہ میں تو عبدالمطلب کے دین پر ہوں- آنحضرت ﷺ نے فرمایا' خیر میں جب تک منع نہ کر دیا جاؤں تیرے لئے بخشش مانگتا رہوں گا- لیکن آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اتری- یعنی نبی کو اور مومنوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں- ان پر تو یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ مشرک جہنمی ہیں- اسی بارے میں آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ الخ بھی اتری ہے- یعنی تو جسے محبت کرے' اسے راہ نہیں دکھا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے راہ دکھاتا ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی زبانی اپنے مشرک ماں باپ کے لئے استغفار سن کر اس سے کہا کہ تو مشرکوں کے لئے استغفار کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے استغفار نہیں کیا؟ فرماتے ہیں' میں نے جا کر یہ ذکر نبی ﷺ سے کیا- اس پر یہ آیت اتری- کہا جب کہ وہ مر گیا پھر میں نہیں جانتا یہ قول مجاہد کا ہے- مسند احمد میں ہے' ہم تقریباً ایک ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے- آپؐ منزل پر اترے- دو رکعت نماز ادا کی- پھر ہماری طرف منہ کر کے بیٹھے- اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے- حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر تاب نہ لا سکے- اٹھ کر عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا' بات یہ ہے کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ ملی- اس پر میری آنکھیں بھر آئیں کہ میری ماں ہے اور جہنم کی آگ ہے- اچھا اور سنو' میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا- اب وہ ممانعت ہٹ گئی ہے- زیارت قبور سے منع کیا تھا- اب تم کرو کیونکہ اس سے تمہیں بھلائی یاد آئے گی- میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو روکنے سے منع فرمایا تھا- اب تم کھاؤ اور جس طرح چاہو روک رکھو- اور میں نے تمہیں بعض خاص برتنوں میں پینے کو منع فرمایا تھا لیکن اب تم جس برتن میں چاہو پی سکتے ہو- لیکن خبردار نشے والی چیز ہرگز نہ پینا-

ابن جریر میں ہے کہ مکہ شریف آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ایک نشان قبر کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ دیر خطاب کر کے آپ کھڑے

ہوئے۔ ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیا بات تھی؟ آپؐ نے فرمایا' میں نے اپنے پروردگار سے اپنی ماں کی قبر کے دیکھنے کی اجازت مانگی۔ وہ تو مل گئی لیکن اس کے لئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو نہ ملی۔ اب جو آپؐ نے رونا شروع کیا تو ہم نے تو آپؐ کو کبھی ایسا اور اتنا روتے نہیں دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ قبرستان کی طرف نکلے۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہاں آ کر آپؐ ایک قبر کے پاس بیٹھ کر دیر تک مناجات میں مشغول رہے۔ پھر رونے لگے۔ ہم بھی خوب روئے۔ پھر کھڑے ہوئے تو ہم سب بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو اور ہمیں بلا کر فرمایا کہ تم کیسے روئے؟ ہم نے کہا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ قبر میری ماں آمنہ کی تھی۔ میں نے اسے دیکھنے کی اجازت چاہی تھی جو مجھے ملی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ دعا کی اجازت نہ ملی اور آیت ماکان الخ' اتری پس جو ماں کی محبت میں صدمہ ہونا چاہئے' مجھے ہوا۔ دیکھو میں نے زیارت قبر کی تمہیں ممانعت کی تھی لیکن اب میں رخصت دیتا ہوں۔ کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی ہے۔

طبرانی میں ہے کہ غزوۂ تبوک کی واپسی میں عمرے کے وقت ثنیۃ عسفان سے اترتے ہوئے آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا' تم عقبہ میں ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔ وہاں سے اتر کر آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دیر تک مناجات کرتے رہے۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ آپ کے رونے سے سب لوگ رونے لگے اور یہ سمجھے کہ آپ کی امت کے بارے میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی جس سے آپ اس قدر رو رہے ہیں۔ انہیں روتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے اور دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' آپؐ کو روتا دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ شاید آپ کی امت کے بارے میں کوئی ایسا نیا حکم اترا جو طاقت سے باہر ہے۔ آپؐ نے فرمایا' سنو بات یہ ہے کہ یہاں میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے اپنے پروردگار سے قیامت کے دن اپنی ماں کی شفاعت کی اجازت طلب کی لیکن اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائی تو میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ جبرئیل آئے اور مجھ سے فرمایا' ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے صرف ایک وعدے سے تھا جس کا وعدہ ہو چکا تھا لیکن جب اس پر کھل گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ فوراً بے زار ہو گیا۔ پس آپؐ بھی اپنی ماں سے اسی طرح بیزار ہو جائیے جس طرح حضرت ابراہیم اپنے باپ سے بیزار ہو گئے۔ پس مجھے اپنی ماں پر رحم اور ترس آیا۔

پھر میں نے دعا کی کہ میری امت پر سے چار سختیاں دور کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو تو دور فرما دیں لیکن دو کے دور فرمانے سے انکار فرما دیا (۱) آسمان سے پتھر برسا کر ان کی ہلاکت (۲) زمین میں انہیں دھنسا کر ان کی ہلاکت (۳) ان میں پھوٹ اور اختلاف کا پڑنا (۴) ان میں ایک کو ایک سے ایذائیں پہنچنا۔ ان چاروں چیزوں سے بچاؤ کی میری دعا تھی۔ دو پہلی چیزیں تو مجھے عنایت ہو گئیں۔ میری امت آسمانی پتھراؤ سے اور زمین میں دھنسائے جانے سے تو بچا دی گئی۔ ہاں آپس کا اختلاف' آپس کی سر پھٹول' یہ نہیں اٹھی۔ آپؐ کی والدہ کی قبر ایک ٹیلے تلے تھی۔ اس لئے آپؐ راستے سے گھوم کر وہاں گئے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور سیاق عجیب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ غریب اور منکر وہ روایت ہے جو امام خطیب بغدادی نے اپنی کتاب بنام سابق لاحق میں مجہول سند سے وارد کی ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی والدہ کو زندہ کر دیا۔ وہ ایمان لائیں۔ پھر مر گئیں۔ اسی طرح کی سہیلی کی ایک روایت ہے جس میں ایک نہیں کئی ایک راوی مجہول ہیں۔ اس میں ہے کہ آپؐ کے ماں باپ دونوں دوبارہ زندہ ہوئے۔ پھر ایمان لائے۔ ابن دحیہ نے اسی روایت پر نظریں جما کر کہا ہے کہ یہ نئی زندگی اسی طرح کی ہے جس طرح مروی ہے کہ سورج ڈوب جانے کے بعد واپس لوٹا اور حضرت علیؓ نے نماز عصر ادا کی۔ طحاوی تو کہتے ہیں کہ سورج والی یہ روایت ثابت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں' ان کی دوبارہ کی زندگی شرعاً یا عقلاً ممتنع نہیں۔ کہتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب کو بھی اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور وہ آپؐ پر ایمان لایا۔ میں کہتا ہوں اگر صحیح روایت سے یہ روایتیں ثابت ہوں تو بے شک مانع کوئی نہیں (لیکن تینوں روایتیں محض گپ ہیں) واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' آپؐ نے ارادہ کیا کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کریں۔ اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ تو آپ نے حضرت ابراہیم کے استغفار کو پیش کیا۔ اس کا جواب آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ میں مل گیا۔ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا جاتا تھا۔ اب ممنوع ہو گیا۔ ہاں زندوں کے لئے جائز رہا۔ لوگوں نے آ کر حضور سے کہا کہ ہمارے بڑوں میں ایسے بھی تھے جو پڑوس کا اکرام کرتے تھے۔ صلہ رحمی کرتے تھے۔ غلام آزاد کرتے تھے۔ ذمہ داری کا خیال رکھتے تھے۔ تو کیا ہم ان کے لئے استغفار نہ کریں؟ آپ نے فرمایا' کیوں نہیں' میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کرتا ہوں جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کے لئے کرتے تھے۔ اس پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الخ' سے الْجَحِيمِ تک نازل ہوئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر بیان ہوا اور فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ' مذکور ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے چند باتیں وحی کی ہیں جو میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور میرے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے حکم فرمایا گیا کہ میں کسی ایسے شخص کے لئے استغفار نہ کروں جو شرک پر مرا ہو اور یہ کہ جو شخص اپنا فالتو مال دے دے' اس کے لئے یہی افضل ہے اور جو روک رکھے' اس کے لئے برائی ہے۔ ہاں برابر سرابر حسب ضرورت پر اللہ کے ہاں ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایک یہودی مر گیا جس کا ایک لڑکا تھا لیکن وہ مسلمان تھا۔ اس لئے اپنے باپ کے جنازے میں وہ شریک نہ ہوا۔ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمانے لگے' اسے جنازے میں جانا چاہئے تھا اور دفن میں بھی موجود رہنا چاہئے تھے اور باپ کی زندگی تک اس کے لئے ہدایتکی دعا کرنی چاہئے تھی۔ ہاں موت کے بعد اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتا۔ پھر آپ نے آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ' تلاوت فرمائی کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ طریقہ نہیں چھوڑا۔ اس کی صحت کی گواہ ابو داؤد وغیرہ کی یہ روایت بھی ہو سکتی ہے کہ ابو طالب کی موت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آ کر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ آپ کے بوڑھے چچا گمراہ مر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ انہیں دفنا کر سیدھے میرے پاس آؤ۔ مروی ہے کہ جب ابو طالب کا جنازہ حضورؐ کے پاس سے گزرا تو آپ نے فرمایا' میں تو تجھ سے صلہ رحمی کا رشتہ نبھا چکا۔

حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں میں تو قبلے کی طرف منہ کرنے والوں میں سے کسی کے جنازے کی نماز نہ چھوڑوں گا۔ گو وہ کوئی حبشن زنا سے حاملہ ہی ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر ہی نماز و دعا حرام کی ہے اور فرمایا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الخ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سنا کہ وہ کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو ابو ہریرہؓ اور اس کی ماں کے لئے استغفار کرے۔ تو اس نے کہا' باپ کے لئے بھی۔ آپؓ نے فرمایا۔ نہیں اس لئے کہ میرا باپ شرک پر مرا ہے۔ آیت میں فرمان الٰہی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر اپنے باپ کا دشمن ہونا کھل گیا یعنی وہ کفر ہی پر مر گیا' مروی ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت ابراہیمؑ سے ان کا باپ ملے گا' نہایت سراسیمگی' پریشانی کی حالت میں' چہرہ غبار آلود اور کالا پڑا ہوا ہو گا' کہے گا کہ ابراہیمؑ آج میں تیری نافرمانی نہ کروں گا۔ حضرت ابراہیمؑ جناب باری میں عرض کریں گے کہ میرے رب تو نے مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور میرا باپ تیری رحمت سے دور ہو کر عذابوں میں مبتلا ہو۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ اس پر فرمایا جائے گا کہ اپنی پیٹھ پیچھے دیکھو۔ دیکھیں گے کہ ایک بجو کیچڑ میں لتھڑا ہوا کھڑا ہے۔ یعنی آپ کے والد کی صورت مسخ ہو گئی ہو گی اور اس کے پاؤں پکڑ کر گھسیٹ کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

فرماتا ہے کہ ابراہیم بڑا ہی دعا کرنے والا تھا۔ حضورؐ سے اواہ کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا رونے دھونے والا' اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرنے والا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' بہت ہی رحم کرنے والا۔ مخلوق اللہ کے ساتھ نرمی اور سلوک اور مہربانی کرنے والا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے' پورے یقین والا۔ سچے ایمان والا۔ توبہ کرنے والا۔ حبشی زبان میں اواہ مومن اور موقن یقین و ایمان والے کو کہتے ہیں۔ ذوالنجادین نامی ایک صحابی کو اس بنا پر کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو وہ اسی وقت دعا کے ساتھ آواز

اٹھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اواہ فرمایا۔ (مسند احمد) اواہ سے مراد تسبیح پڑھنے والا ضحیٰ کی نماز پڑھنے والا اپنے گناہوں کی یاد آنے پر استغفار کرنے والا۔ اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والا رب سے ڈرنے والا پوشیدہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے والا بھی مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا۔ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت یاد کرتا ہے اور اللہ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ اواہ ہے۔ (ابن جریرؒ) اسی ابن جریرؒ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک میت کو دفن کر کے فرمایا یقیناً تو اواہ یعنی بکثرت تلاوت کلام اللہ شریف کرنے والا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے اپنی دعا میں اوہ اوہ کر رہا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد حضورؐ اس کے دفن میں شامل تھے چونکہ رات کا وقت تھا۔ اس لئے آپؐ کے ساتھ چراغ بھی تھا۔ (ابن جریر) یہ روایت غریب ہے۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے سامنے جہنم کا ذکر ہوتا تھا تو آپ اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اواہ یعنی فقیہ۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ سب سے بہتر قول ان تمام اقوال میں یہ ہے کہ مراد اس لفظ سے بکثرت دعا کرنے والا ہے۔ الفاظ کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے استغفار کیا کرتے تھے اور تھے بھی بکثرت دعا مانگنے والے۔ بردبار بھی تھے۔ جو آپ پر ظلم کرے آپ سے برا پیش آئے آپ تحمل کر جایا کرتے تھے۔ باپ نے آپ کو ایذا دی صاف کہہ دیا تھا کہ تو میرے معبودوں سے منہ پھیر رہا ہے۔ تو اگر اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالوں گا۔ وغیرہ لیکن پھر بھی آپ نے اس کے لئے استغفار کرنے کا وعدہ کر لیا۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ابراہیم اواہ اور حلیم تھے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی قوم کو راہ پر لا چکا پھر ایسا نہیں کہ انہیں گمراہ کر دے جب تک کہ ان کے لئے ان چیزوں کو کھول نہ دے جن سے انہیں بچنا چاہئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے ○ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ○

معصیت کا تسلسل گمراہی کا بیج ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۶) اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ کریم و عادل اللہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد حجت پوری کیے بغیر گمراہ نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے بینائی کے باوجود اندھے پن کو ترجیح دی۔ اوپر کی آیت کی مناسبت کی وجہ سے مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرنے کے بارے میں خاص طور پر اور اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت کے چھوڑنے اور ہر طاعت کے بجا لانے میں عام طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے بیان فرما چکا ہے۔ اب جو چاہے کرے جو چاہے چھوڑے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ مومنوں کو مشرک مردوں کے استغفار سے روکے بغیر ہی ان کے اس استغفار کی وجہ سے انہیں اپنے نزدیک گمراہ بنا دے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ انہیں ایمان کی راہ پر لا چکا ہے۔ پس پہلے اپنی کتاب کے ذریعے انہیں اس سے روک رہا ہے۔ اب جو مان گیا اور اللہ کی ممانعت کے کام سے رک گیا اس پر اس سے پہلے کیے ہوئے کام کی وجہ سے گمراہی لازم نہیں ہو جاتی۔ اس لئے کہ طاعت و معصیت، حکم و ممانعت کے بعد ہوتی ہے۔ اس سے پہلے مطیع اور عاصی ظاہر نہیں ہوتا۔ پہلے ہی ان چیزوں کو وہ

ظاہر فرما دیتا ہے جس سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ پورا باخبر اور سب سے بڑھ کر علم والا ہے۔ پھر مومنوں کو مشرکین سے اور ان کے ذی اختیار بادشاہوں سے جہاد کی رغبت دلاتا ہے۔ اور انہیں اپنی مدد پر بھروسہ کرنے کو فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک میں ہی ہوں۔ تم میرے دشمنوں سے مرعوب مت ہونا۔ کون ہے جو ان کا حمایتی بن سکے؟ اور کون ہے جو ان کی مدد پر میرے مقابلے میں آ سکے؟ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کیا جو میں سنتا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے کان میں تو کوئی آواز نہیں آ رہی۔ آپؐ نے فرمایا' میں آسمانوں کا چرچرانا سن رہا ہوں اور حقیقت میں اس کا چرچرانا ٹھیک بھی ہے۔ ان میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں اور قیام میں نہ ہو۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں' ساری زمین میں سوئی کے ناکے برابر کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو یہاں کا علم اللہ کی طرف نہ پہنچاتا ہو۔ آسمان کے فرشتوں کی گنتی زمین کے سنگریزوں سے بھی زیادہ ہے۔ عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کے ٹخنے اور پنڈلی کے درمیان کا فاصلہ ایک سو سال کا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل کی گھڑی میں نبی کی پیروی میں لگے رہے' اسکے بعد کہ قریب تھا کہ ان کی ایک جماعت کے دل ٹیڑھے ہو جائیں' پھر بھی اللہ ان پر مہربان ہو گیا' بے شک وہ ان کے اوپر شفقت و مہربانی کرنے والا ہے ○

تپتے صحرا کی پیاس اور مجاہدین سرگرم سفر: ☆☆ (آیت: ۱۱۷) مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ تبوک کے بارے میں اتری ہے۔ اس جنگ میں جانے کے وقت سال بھی قحط کا تھا' گرمیوں کا موسم تھا' کھانے پینے کی کمی تھی' راستوں میں پانی نہ تھا۔ شام کے ملک تک کا دور دراز کا سفر تھا۔ سامان رسد کی اتنی کمی تھی کہ دو دو آدمیوں میں ایک ایک کھجور بٹتی تھی۔ پھر تو یہ ہو گیا تھا کہ ایک کھجور ایک جماعت کو ملتی۔ یہ چوس کر اسے دیتا۔ وہ اور کو اور ایک ایک چوس کر پانی پی لیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ان پر لازم کر دی اور انہیں واپس لایا۔ حضرت عمرؓ سے جب اس سختی کا سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا' سخت گرمیوں کے زمانے میں ہم نکلنے کو تھے' ایک منزل میں تو پیاس کے مارے ہماری گردنیں ٹوٹنے لگیں یہاں تک کہ لوگ اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر اس پانی کو پیتے اور پھر اسے اپنے کلیجے سے لگا لیتے۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو ہمیشہ ہی قبول فرمایا ہے۔ اب بھی دعا کیجئے کہ اللہ قبول فرمائے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کی' اسی وقت آسمان پر ابر چھا گیا اور برسنے لگا اور خوب برسا جس کے پاس جتنے برتن تھے' سب بھر لئے۔ اور بارش رک گئی' اب جو ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے لشکر کے احاطے سے باہر ایک قطرہ بھی کہیں نہیں برسا تھا۔ پس اس جہاد میں جنہوں نے روپے پیسے سے' سواری سے' خوراک سے' سامان رسد اور ہتھیار سے پانی وغیرہ سے غرض کسی طرح بھی مومنوں کی مدد کی تھی' ان کی فضیلت و برتری بیان ہو رہی ہے۔ یہی وہ وقت تھا کہ بعض کے دل پھر جانے کے قریب ہو گئے تھے۔ مشقت' شدت اور بھوک پیاس نے دلوں کو ہلا دیا تھا' مسلمان جھنجھوڑ دیئے گئے تھے لیکن رب نے انہیں سنبھال لیا اور اپنی طرف جھکا لیا اور ثابت قدمی عطا فرما کر خود بھی ان پر مہربان ہو گیا' اللہ تعالیٰ جیسی رافت و رحمت اور کس کی ہے؟ وہ ان پر خوب ہی رحمت و کرم رکھتا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ع ۸

ان تینوں پر بھی جو پیچھے رکھ دیئے گئے تھے' یہاں تک کہ یہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے ان پر تنگ آ گئی اور خود وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ آ گئے اور باور کرلیا کہ اللہ کی گرفت سے بجز اسی کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ پس اللہ نے ان کی طرف مہربانی سے توجہ فرمائی کہ وہ رجوع ہوتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توجہ فرمانیوالا رحم کرنے کووالا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ ○

جنگ تبوک میں عدم شمولیت سے پشیمان: ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ جو آپ کے نابینا ہو جانے کے بعد آپ کا ہاتھ تھام کر لے جایا لے آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے موقع پر میرے والد کے رہ جانے کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ فرماتے ہیں' میں اس کے سوا کسی اور غزوے میں پیچھے نہیں رہا۔ ہاں غزوہ بدر کا ذکر نہیں۔ اس میں جو لوگ شامل نہیں ہوئے تھے' ان پر کوئی سرزنش نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ تو قافلے کے ارادے سے چلے تھے لیکن وہاں اللہ کی مرضی سے قریش کے جنگی مرکز سے لڑائی ٹھہر گئی۔ تو چونکہ یہ لڑائی بے خبری میں ہوئی' اس لئے میں اس میں حاضر نہ ہو سکا' اس کی بجائے الحمدللہ میں لیلتہ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب کہ ہم نے اسلام پر موافقت کی تھی۔ اور میرے نزدیک تو یہ چیز بدر سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ گو بدر کی شہرت لوگوں میں بہت زیادہ ہے۔ اچھا اب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کا واقعہ سنئے۔ اس وقت مجھے جو آسانی اور قوت تھی' وہ اس سے پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی۔ اس وقت میرے پاس دو دو اونٹنیاں تھیں۔ حضورؐ جس غزوے میں جاتے تو یہ کرتے یعنی ایسے الفاظ کہتے کہ لوگ صاف مطلب نہ سمجھیں۔ لیکن چونکہ اس وقت موسم سخت گرم تھا' سفر بہت دور دراز کا تھا' دشمن بڑی تعداد میں تھا' پس آپ نے مسلمانوں کے سامنے اپنا مقصد صاف صاف واضح کر دیا کہ وہ پوری پوری تیاری کرلیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بھی اتنی زیادہ تھی کہ رجسٹر میں ان کے نام نہ آ سکے۔

پس کوئی باز پرس نہ تھی۔ جو بھی چاہتا کہ میں رک جاؤں' وہ رک سکتا تھا اور آنحضرتؐ پر اس کا رکنا مخفی رہ سکتا تھا۔ ہاں اللہ کی وحی آ جائے یہ تو بات ہی اور ہے۔ اس لڑائی کے سفر کے وقت پھل پکے ہوئے تھے۔ سائے بڑھے ہوئے تھے۔ مسلمان صحابہؓ اور خود حضورؐ تیاریوں میں تھے۔ میری یہ حالت تھی کہ صبح نکلتا تھا کہ سامان تیار کرلوں لیکن ادھر ادھر شام ہو جاتی اور میں خالی ہاتھ گھر لوٹ جاتا۔ اور کہتا کوئی بات نہیں۔ روپیہ ہاتھ تلے ہے۔ کل خرید لوں گا اور تیاری کرلوں گا۔ یہاں تک کہ یونہی صبح شام صبح شام آج کل آج کل کرتے کوچ کا دن آ گیا اور لشکر اسلام بجانب تبوک چل پڑا۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں ایک دو دن میں میں بھی پہنچتا ہوں۔ یونہی یوں آج کا کام کل پر ڈالا اور کل کا پرسوں پر یہاں تک کہ لشکر دور جا پہنچا۔ گرے پڑے لوگ بھی چل دیئے۔ میں نے کہا خیر دور ہو گئے اور کئی دن ہو گئے تو کیا ہوا۔ میں تیز چل کر جا ملوں گا لیکن افسوس کہ یہ بھی مجھ سے نہ ہو سکا۔ ارادوں ہی ارادوں میں رہ گیا۔ اب تو یہ حالت تھی کہ میں بازاروں میں نکلتا تو مجھے سوائے منافقوں اور بیمار' لولے ﷺ لنگڑے اندھے مریضوں اور معذور لوگوں کے اور کوئی نظر نہ آتا۔

رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچ کر مجھے یاد فرمایا کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ اس پر بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا' اسے تو اچھے کپڑوں اور جسم کی راحت رسانی نے روک رکھا ہے- یہ سن کر حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا' آپ یہ درست نہیں فرما رہے- یارسول اللہ ہمارا خیال تو کعبؓ کی نسبت بہتر ہی ہے- حضورؐ خاموش ہو رہے- جب مجھے معلوم ہوا کہ اب آپ لوٹ رہے ہیں تو میرا جی بہت ہی گھبرایا- اور میں حیلے بہانے سوچنے لگا کہ یوں یوں بہانہ بنا کر حضورؐ کے غصے سے نکل جاؤں گا- اپنے والوں سے بھی رائے ملالوں گا- یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ مدینے شریف کے قریب آ گئے تو میرے دل سے باطل اور جھوٹ بالکل الگ ہو گیا- اور میں نے سمجھ لیا کہ جھوٹے حیلے مجھے نجات نہیں دلوا سکے- سچ ہی کا آخر بول بالا رہتا ہے- پس میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جھوٹ بالکل نہیں بولوں گا- صاف صاف سچ سچ بات کہہ دوں گا- آپ خیر سے تشریف لائے اور حسب عادت پہلے مسجد میں آئے- دو رکعت نماز ادا کی اور وہیں بیٹھے- اسی وقت اس جہاد میں شرکت نہ کرنے والے آنے لگے اور عذر معذرت حیلے بہانے کرنے لگے- یہ لوگ اسی (۸۰) سے کچھ اوپر اوپر تھے- آپؐ ان کی باتیں سنتے اور اندرونی حالت سپرد اللہ کر کے ظاہری باتوں کو قبول فرما کر ان کے لئے استغفار کرتے- میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا- آپؐ نے غصے کے ساتھ تبسم فرمایا اور مجھے اپنے پاس بلایا- میں قریب آن کر بیٹھ گیا- آپؐ نے فرمایا' تم کیسے رک گئے؟ تم نے تو سواری بھی خرید لی تھی- میں نے کہا- یارسول اللہؐ اگر آپ کے سوا کسی اور کے پاس میں بیٹھا ہوا ہوتا تو بیسیوں باتیں بنا لیتا- بولنے میں اور باتیں بنانے میں میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں- لیکن میں جانتا ہوں کہ آج اگر جھوٹ سچ ملا کر آپؐ کے غصے سے میں آزاد ہو گیا تو ممکن ہے کل اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے مطلع فرما کر پھر مجھ سے ناراض کر دے- اور آج میرے سچ کی بنا پر اگر آپ مجھ سے بگڑے تو ہو سکتا ہے کہ میری سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے پھر خوش کر دے- حضورؐ سچ تو یہ ہے کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا- مجھے اس وقت جو آسانی اور فرصت تھی' اتنی تو کبھی اس سے پہلے میسر بھی نہیں ہوئی- آپؐ نے فرمایا' یہ تو یہ سچا- اچھا تم جاؤ- اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کرے گا' وہی ہو گا- میں کھڑا ہو گیا- بنو سلمہ کے چند شخص بھی میرے ساتھ ہی اٹھے اور ساتھ ہی چلے' اور مجھ سے کہنے لگے' اس سے پہلے تو تم سے کبھی کوئی اس قسم کی خطا نہیں ہوئی- لیکن تعجب ہے کہ تم نے کوئی عذر معذرت پیش نہیں کی جیسے کہ اوروں نے کی- پھر آنحضرت ﷺ تمہارے لئے استغفار کرتے تو تمہیں تو یہ کافی تھا-

الغرض کچھ اس بے طرح یہ لوگ میرے پیچھے پڑے کہ مجھے خیال آنے لگا کہ پھر واپس جاؤں اور حضورؐ کے سامنے اپنی پہلی بات کو جھٹلا کر کوئی حیلہ غلط سلط میں بھی پیش کر دوں- پھر میں نے پوچھا کیوں جی' کوئی اور بھی میرے جیسا اس معاملے میں اور ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو شخص اور ہیں اور انہیں بھی وہی جواب ملا ہے جو تمہیں ملا ہے- میں نے کہا وہ کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی- ان دونوں صالح اور نیک بدری صحابیوں کا نام جب میں نے سنا تو مجھے پورا اطمینان ہو گیا اور میں گھر چلا گیا- آنحضرت ﷺ نے ہم تینوں سے کلام کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا- لوگ ہم سے الگ ہو گئے' کوئی ہم سے بولتا چالتا نہ تھا یہاں تک کہ مجھے تو اپنا وطن پردیس معلوم ہونے لگا کہ گویا میں یہاں کی کسی چیز سے واقف ہی نہیں ہوں- پچاس راتیں ہم پر اسی طرح گزر گئیں- وہ دونوں بدری بزرگ تو تھک ہار کر اپنے اپنے مکانوں میں بیٹھ رہے- باہر اندر آنا جانا بھی انہوں نے چھوڑ دیا- میں ذرا زیادہ آنے جانے والا اور تیز طبیعت والا تھا- نہ میں نے مسجد جانا چھوڑا نہ بازاروں میں جانا آنا ترک کیا- ہاں مجھ سے کوئی بولتا نہ تھا- نماز کے بعد جب کہ حضور ﷺ مسجد میں لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما ہوتے تو میں آتا اور سلام کرتا اور اپنے جی میں کہتا کہ میرے سلام کے جواب میں آپؐ

کے ہونٹ ہلے بھی یا نہیں؟ پھر آپؐ کے قریب ہی کہیں بیٹھ جاتا اور کنکھیوں سے آپؐ کو دیکھتا رہتا۔ جب میں نماز میں ہوتا تو آپؐ کی نگاہ مجھ پر پڑتی لیکن جہاں میں آپ کی طرف التفات کرتا' آپؐ میری طرف سے منہ موڑ لیتے۔ آخر اس ترک کلامی کی طویل مدت نے مجھے پریشان کر دیا۔

ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ کی دیوار سے کود کر ان کے پاس گیا۔ مجھے ان سے بہت ہی محبت تھی۔ میں نے سلام کیا لیکن واللہ انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ تجھے اللہ کی قسم' کیا تو نہیں جانتا کہ میں اللہ رسول سے محبت رکھتا ہوں؟ اس نے پھر خاموشی اختیار کی۔ میں نے دوبارہ انہیں قسم دی اور پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہے میں نے سہ بارہ انہیں قسم دے کر یہی سوال کیا۔ اس کے جواب میں بھی وہ خاموش رہے اور فرمایا' اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ اب تو میں اپنے دل کو نہ روک سکا۔ میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور بہت ہی غمگین ہو کر میں پھر دیوار پر چڑھ کر باہر نکل گیا۔ میں بازار میں جا رہا تھا کہ میں نے شام کے ایک قبطی کو جو مدینے میں غلہ بیچنے آیا تھا' یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ کوئی مجھے کعب بن مالکؓ کا پتہ بتا دے۔ لوگوں نے اسے میری طرف اشارہ کر کے بتا دیا' وہ میرے پاس آیا اور مجھے شاہ غسان کا خط دیا۔ میں لکھا پڑھا تو تھا ہی۔ میں نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا' ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سردار نے تم پر ظلم کیا ہے۔ تم کوئی ایسے گرے پڑے آدمی نہیں ہو۔ تم یہاں دربار میں چلے آؤ۔ ہم ہر طرح کی خدمت گزاریوں کے لئے تیار ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ ایک اور مصیبت اور منجانب اللہ آزمائش ہے۔ میں نے تو جا کر چولھے میں اس رقعے کو جلا دیا۔ چالیس راتیں جب گزر چکیں تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آ رہا ہے۔ اس نے آ کر آپؐ کا پیغام پہنچایا کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہو۔ میں نے پوچھا یعنی کیا طلاق دے دوں؟ یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں۔ طلاق نہ دو لیکن ان سے ملو جلو نہیں۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی پیغام پہنچا۔ میں نے تو اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ نہ کر دے۔ ہاں حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی نے آن کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے خاوند بہت بوڑھے ہیں۔ کمزور بھی ہیں اور گھر میں کوئی خادم بھی نہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کا کام کاج کر دیا کروں۔

آپؐ نے فرمایا' اس میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ تم سے ملیں نہیں۔ انہوں نے کہا واللہ ان میں تو حرکت کی قوت ہی نہیں اور جب سے یہ بات پیدا ہوئی ہے تب سے لے کر آج تک ان کے آنسو تھمے ہی نہیں۔ مجھ سے بھی میرے بعض دوستوں نے کہا کہ تم بھی اتنی اجازت تو حاصل کر لو جتنی حضرت ہلالؓ کے لئے ملی ہے۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ میں اس بارے میں حضورؐ سے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ اللہ جانے آپؐ جواب میں کیا ارشاد فرمائیں؟ ظاہر ہے کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں اور میں جوان ہوں۔ دس دن اس بات پر بھی گزر گئے۔ اور ہم سے سلام کلام بند ہونے کو پوری پچاس راتیں گذر چکیں۔ اس پچاسویں رات کو صبح کی نماز میں نے اپنے گھر کی چھت پر ادا کی۔ اور میں دل برداشتہ حیران و پریشان اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ اپنی جان سے تنگ تھا۔ زمین باوجود اپنی کشادگی کے مجھ پر تنگ تھی کہ میرے کان میں سلع پہاڑی پر سے کسی کی آواز آئی کہ وہ با آواز بلند کہہ رہا ہے کہ اے کعب بن مالکؓ خوش ہو جا۔ واللہ میں اسی وقت سجدے میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اللہ عزوجل کی طرف سے قبولیت توبہ کی کوئی خبر آ گئی۔ بات بھی یہی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد رسول کریم ﷺ نے یہ خبر صحابہؓ سے بیان فرمائی تھی اور یہ سنتے ہی وہ پیدل اور سوار ہم تینوں کی طرف دوڑ پڑے تھے کہ ہمیں خبر پہنچائیں۔ ایک صاحب تو اپنے گھوڑے پر سوار میری طرف خوشخبری لئے ہوئے آ رہے تھے لیکن اسلم کے ایک صاحب نے دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ کر با آواز بلند میرا نام لے کر مجھے خوشخبری پہنچائی سوار سے پہلے ان کی آواز میرے کان میں آ گئی۔ جب یہ صاحب میرے پاس پہنچے تو میں نے اپنے پہنے

ہوئے دونوں کپڑے انہیں بطور انعام دیئے۔ واللہ اس دن میرے پاس اور کچھ بھی نہ تھا۔ دو کپڑے اور ادھار لے کر میں نے پہنے۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے نکلا۔ راستے میں جوق در جوق لوگ مجھ سے ملنے لگے اور مجھے میری توبہ کی بشارت اور مبارکباد دینے لگے۔ کہ کعب اللہ تعالیٰ کا تمہاری توبہ کو قبول فرمالینا تمہیں مبارک ہو۔ میں جب مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور دیگر صحابہ بھی حاضر حضورؐ تھے۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔

مہاجرین میں سے سوائے آپ کے اور کوئی صاحب کھڑے نہیں ہوئے۔ حضرت کعبؓ حضرت طلحہؓ کی اس محبت کو ہمیشہ ہی اپنے دل میں لئے رہے۔ جب میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے سلام کیا' اس وقت آپ کے چہرہ مبارک کی رگیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا' کعب تم پر تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک آج جیسا خوشی کا دن کوئی نہیں گزرا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ عزوجل کی جانب سے؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' حضور ﷺ کو جب کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ مثل چاند کے ٹکڑے کے چمکنے لگ جاتا تھا اور ہر شخص چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان لیا کرتا تھا۔ میں نے آپؐ کے پاس بیٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے نذر مانی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے تو میرا سب مال اللہ کے نام صدقہ ہے۔ اس کے رسولؐ کے سپرد ہے۔ آپ نے فرمایا تھوڑا بہت مال اپنے پاس رکھ لو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا اچھا جو حصہ میرا خیبر میں ہے' وہ تو میرا رہا باقی للہ خیرات ہے۔ یا رسول اللہؐ میری نجات کا ذریعہ میرا سچ بولنا ہے۔ میں نے یہ بھی نذر مانی ہے کہ باقی زندگی بھی سوائے سچ کے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالوں گا۔ میرا ایمان ہے کہ سچ کی وجہ سے جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی' وہ کسی مسلمان کو نہیں ملی۔ اس وقت سے لے کر آج تک بحمد للہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور جو عمر باقی ہے' اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے مجھے یہی امید ہے۔

اللہ رب العزت نے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ سے کئی آیتیں تک ہماری توبہ کے بارے نازل فرمائیں۔ اسلام کی نعمت کے بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے اس دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی جھوٹ بات نہ کہی جیسے کہ اوروں نے جھوٹی باتیں بنائیں ورنہ میں بھی ان کی طرح ہلاک ہو جاتا۔ ان جھوٹے لوگوں کو کلام اللہ شریف میں بہت ہی برا کہا گیا۔ فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ الخ' یعنی تمہارے واپس آنے کے بعد یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر چاہتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کر لو۔ اچھا تم چشم پوشی کر لو لیکن یاد رہے کہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ گندے اور پلید ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے عمل کا بدلہ ہوگا۔ یہ تمہیں رضامند کرنے کے لئے حلف اٹھا رہے ہیں۔ تم گو ان سے راضی ہو جاؤ لیکن ایسے فاسق لوگوں سے اللہ خوش نہیں۔ تم تینوں کا امر ان لوگوں کے امر سے پیچھے ڈال دیا گیا تھا۔ ان کے عذر تو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمائے تھے۔ ان سے دوبارہ بیعت کر لی تھی اور ان کے لئے استغفار بھی کیا تھا۔ اور ہمارا معاملہ تاخیر میں پڑ گیا تھا جس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ اسی لئے آیت کے الفاظ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ہیں۔ پس اس پیچھے چھوڑ دیئے جانے سے مراد غزوے سے رک جانا نہیں بلکہ ان لوگوں کے جھوٹے عذر کے قبول کئے جانے سے ہمارا معاملہ موخر کر دینا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ الحمد للہ اس حدیث میں اس آیت کی پوری اور صحیح تفسیر موجود ہے۔ یہ تینوں بزرگ انصاری تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ایک روایت میں مرارہ بن ربیعہ کے بدلے ربیع بن مرارہ آیا ہے۔ ایک میں ربیع بن مرار یا مرار بن ربیع ہے۔ لیکن صحیح وہی ہے جو صحیحین میں ہے یعنی مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ۔ ہاں زہری کی اوپر والی روایت میں جو یہ لفظ ہیں کہ وہ دونوں بدری صحابی تھے جو

حضرت کعب کی طرح چھوڑ دیئے گئے تھے' یہ خطا ہے۔ ان تینوں بزرگوں میں سے ایک بھی بدری نہیں۔ واللہ اعلم۔ چونکہ آیت میں ذکر تھا کہ کس طرح ان بزرگوں نے صحیح اور سچا واقعہ کہہ دیا جس سے گو کچھ دنوں تک وہ رنج و غم میں رہے لیکن آخر سلامتی اور ابدی راحت ملی۔ اس کے بعد ہی فرماتا ہے کہ اے مومنو سچ بولا کرو اور سچائی کو لازم پکڑے رہو۔ سچوں میں ہو جاؤ تا کہ ہلاکت سے نجات پاؤ۔ غم رنج سے چھوٹ جاؤ۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگو سچائی کو لازم کر لو۔ سچ بھلائی کی رہبری کرتا ہے اور بھلائی جنت کی رہبری کرتی ہے۔ انسان برابر سچ بولنے اور سچ پر کاربند رہنے سے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ بولتے رہنے سے اللہ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قصداً یا مذاقاً کسی حالت میں بھی جھوٹ انسان کے لائق نہیں۔ کیونکہ اللہ مالک الملک فرماتا ہے' ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ۔ پس کیا تم اس میں کسی کے لئے بھی رخصت پاتے ہو؟ بقول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سچوں سے مراد آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ ہیں۔ ابوبکر و عمر اور ان کے ساتھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین' حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر سچوں کے ساتھی بننا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبت رہو اور مسلمانوں کو نہ ستاؤ۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾

مدینے والوں کو اور ان کے آس پاس کے بادیہ نشینوں کو یہ نہ چاہئے کہ جہاد میں رسول اللہؐ کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ چاہئے کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ چاہیں' یہ اس لئے کہ ان مجاہدین کو جو پیاس اور رنج اور تکلیف اور بھوک اللہ کی راہ میں پہنچی ہے اور جہاں کہیں ایسے مقام پر وہ چلتے ہیں جس سے کافروں کے دل کڑھیں اور دشمنان دین سے جو کچھ یہ چھین لیتے ہیں' اس سب کے بدلے ان کے لئے نیک عمل لکھ لئے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے اجر ضائع نہیں کرتا ○

غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کو تنبیہہ : ☆☆ (آیت : ۱۲۰) ان لوگوں کو جو غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے' اللہ تعالیٰ ڈانٹ رہا ہے کہ مدینے والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو مجاہدین کے برابر ثواب والا نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ اس اجر و ثواب سے محروم رہ گئے جو ان مجاہدین فی سبیل اللہ کو ملا۔ مجاہدین کو ان کی پیاس پر' تکلیف پر' بھوک پر' ٹھہرنے اور چلنے پر' ظفر اور غلبے پر' غرض ہر ہر حرکت و سکون پر اللہ کی طرف سے اجر عظیم ملتا رہتا ہے۔ رب کی ذات اس سے پاک ہے کہ کسی نیکی کرنے والے کی محنت برباد کر دے۔

وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

وہ جو کچھ کم زیادہ خرچ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو طے کرتے ہیں' وہ بھی ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے ○

مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الٰہی : ☆☆ (آیت:۱۲۱) یہ مجاہد جو کچھ تھوڑا بہت خرچ کریں اور راہ اللہ میں جس زمین پر چلیں پھریں' وہ سب ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ یاد رہے کہ اوپر کا کام ذکر کر کے اجر کے بیان میں لفظ ''بہ'' لائے تھے اور یہاں نہیں لائے اس لئے کہ وہ غیر اختیاری افعال تھے اور یہ خود ان سے صادر ہوتے ہیں۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔ اس آیت کا بہت بڑا حصہ اور اس کا کامل اجر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سمیٹا ہے۔ غزوہ تبوک میں آپ نے دل کھول کر مال خرچ کیا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں اس سختی کے لشکر کی امداد کا ذکر فرما کر اس کی رغبت دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ایک سو اونٹ مع کجاوے پالان رسیوں وغیرہ کے میں دوں گا۔ آپؐ نے پھر اسی کو بیان فرمایا تو پھر سے حضرت عثمانؓ نے فرمایا' ایک سو اور بھی دوں گا۔ آپؐ ایک زینہ منبر کا اترے' پھر رغبت دلائی تو حضرت عثمانؓ نے پھر فرمایا' ایک سو اور بھی۔ آپؐ نے خوشی خوشی اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے فرمایا' بس عثمانؓ! آج کے بعد کوئی عمل نہ بھی کرے تو بھی یہی کافی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک ہزار دینار کی تھیلی لا کر حضرت عثمانؓ نے آپؐ کے پلے میں ڈال دی۔ آپؐ انہیں اپنے ہاتھ سے الٹ پلٹ کرتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے' آج کے بعد یہ جو بھی عمل کریں' انہیں نقصان نہ دے گا۔ بار بار یہی فرماتے رہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' جس قدر انسان اپنے وطن سے راہ الٰہی میں دور نکلتا ہے' اتنا ہی اللہ کے قرب میں بڑھتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

مسلمانوں کو یہ تو نہ چاہیے کہ وہ سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ جائیں کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب واپس لوٹیں تو اپنی قوم کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں ○

نبی اکرم ﷺ کو تنہا نہ چھوڑو : ☆☆ (آیت:۱۲۲) اس آیت میں اس بیان کی تفصیل ہے جو غزوہ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ چلنے کے متعلق تھا۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جب خود رسول اللہ ﷺ جہاد میں نکلیں تو آپ کا ساتھ دینا ہر مسلمان پر واجب ہے جیسے فرمایا انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور فرمایا ہے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ یعنی ہلکے بھاری نکل کھڑے ہو جاؤ۔ مدینے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو لائق نہیں کہ وہ رسول اللہ کے پیچھے رہ جائیں۔ پس یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قبیلوں کے نکلنے کا بیان ہے اور ہر قبیلے کی ایک جماعت کے نکلنے کا اگر وہ سب نہ جائیں۔ تاکہ آپؐ کے ساتھ جانے والے آپؐ پر اتری ہوئی وحی کو سمجھیں اور واپس آ کر اپنی قوم کو دشمن کے حالات سے باخبر کریں۔ پس انہیں دونوں باتیں اس کوچ میں حاصل ہو جائیں گی۔ اور آپؐ کے بعد قبیلوں میں سے جانے والی جماعت یا تو دینی سمجھ کے لئے ہو گی یا جہاد کے لئے۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ مسلمانوں کو نہ چاہیے کہ سب کے سب چلے جائیں اور اللہ کے نبی ﷺ کو تنہا چھوڑ دیں۔ ہر جماعت میں سے چند لوگ جائیں اور

آپؐ کی اجازت سے جائیں۔ جو باقی ہیں وہ ان کے بعد جو قرآن اترے جو احکام بیان ہوں انہیں سیکھیں سمجھیں۔ جب یہ آ جائیں تو انہیں سکھائیں پڑھائیں۔ اس وقت اور لوگ جائیں۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ آیت ان صحابیوںؓ کے بارے میں اتری ہے جو بادیہ نشینوں میں گئے۔ وہاں انہیں فوائد بھی پہنچے اور نفع کی چیزیں بھی ملیں۔ اور لوگوں کو انہوں نے ہدایات بھی کیں۔ لیکن بعض لوگوں نے انہیں طعنہ دیا کہ تم لوگ اپنے ساتھیوں کے پیچھے رہ جانے والے ہو۔ وہ میدان جہاد میں گئے اور تم آرام سے یہاں ہم میں ہو۔ ان کے بھی دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ وہاں سے واپس آنحضرت ﷺ کے پاس چلے آئے۔

پس یہ آیت اتری اور انہیں معذور سمجھا گیا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ لشکروں کو بھیجیں تو کچھ لوگوں کو آپؐ کی خدمت میں ہی رہنا چاہئے کہ وہ دین سیکھیں اور کچھ لوگ جائیں۔ اپنی قوم کو دعوت حق دیں اور انہیں اگلے واقعات سے عبرت دلائیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لئے نکلیں اس وقت سوائے معذوروں اندھوں وغیرہ کے کسی کو حلال نہیں کہ آپؐ کے ساتھ نہ جائے اور جب آپ لشکروں کو روانہ فرمائیں تو کسی کو حلال نہیں کہ آپؐ کی اجازت بغیر جائے۔ یہ لوگ جو حضورؐ کے پاس رہتے تھے اپنے ساتھیوں کو جب کہ وہ واپس لوٹتے ان کے بعد کا اترا ہوا قرآن اور بیان شدہ احکام سنا دیتے۔ پس آپؐ کی موجودگی میں سب کو نہ جانا چاہئے۔ مروی ہے کہ یہ آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر پر قحط سالی کی بددعا کی اور ان کے ہاں قحط پڑا تو ان کے پورے قبیلے کے قبیلے مدینے شریف میں چلے آئے۔ یہاں جھوٹ موٹ اسلام ظاہر کر کے صحابہؓ پر اپنا بار ڈال دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو متنبہ کیا کہ دراصل یہ مومن نہیں۔ آپ نے انہیں ان کی جماعتوں کی طرف واپس کیا اور ان کی قوم کو ایسا کرنے سے ڈرایا۔ کہتے ہیں کہ ہر قبیلے میں سے کچھ لوگ حضورؐ کی خدمت میں آتے۔ دین اسلام سیکھتے۔ واپس جا کر اپنی قوم کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم کرتے۔ نماز زکوٰۃ کے مسائل سمجھاتے۔ ان سے صاف فرما دیتے کہ جو اسلام قبول کر لے گا وہ ہمارا ہے ورنہ نہیں۔ یہاں تک کہ ماں باپ کو بھی چھوڑ دیتے۔ آنحضرت ﷺ انہیں مسئلے مسائل سے آگاہ کر دیتے۔ حکم احکام سکھا پڑھا دیتے۔ وہ اسلام کے مبلغ بن کر جاتے۔ ماننے والوں کو خوش خبریاں دیتے۔ نہ ماننے والوں کو ڈراتے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں جب آیت اِلَّا تَنْفِرُوْا الخ اور آیت مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الخ اتریں تو منافقوں نے کہا پھر تو بادیہ نشین لوگ ہلاک ہو گئے کہ وہ حضرتؐ کے ساتھ نہیں جاتے۔ بعض صحابہؓ بھی ان میں تعلیم و تبلیغ کیلئے گئے ہوئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آیت وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ الخ بھی اتری۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ آپ کے ساتھ گئے ہیں وہ مشرکوں پر غلبہ و نصرت دیکھ کر واپس آن کر اپنی قوم کو ڈراویں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو! جو کفار تم سے قریب قریب رہتے ہیں پہلے ان سے جہاد کرو اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے ○

اسلامی مرکز کا استحکام اولین اصول ہے: ☆☆ (آیت:۱۲۳) اسلامی مرکز کے متصل جو کفار ہیں پہلے تم مسلمانوں کو ان سے نمٹنا چاہئے۔ اسی حکم کے بموجب رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرۃ العرب کو صاف کیا یہاں غلبہ پا کر مکہ مدینہ طائف یمن یمامہ ہجر خیبر حضر موت وغیرہ کل علاقہ فتح کر کے یہاں کے لوگوں کو اسلامی جھنڈے تلے کھڑا کر کے غزوہ روم کی تیاری کی۔ جو اول تو جزیرۃ العرب سے ملحق

تھا' دوسرے وہاں کے رہنے والے اہل کتاب تھے- تبوک تک پہنچ کر حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے آگے کا عزم ترک کیا- یہ واقعہ ۹ھ کا ہے- دسویں سال حجتہ الوداع میں مشغول رہے- اور حج کے صرف اکاسی (۸۱) دن بعد آپ اللہ کو پیارے ہوئے- آپ کے بعد آپ کے وزیر' دوست اور خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے- اس وقت دین اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں کہ آپ نے انہیں مضبوط کر دیا- اور مسلمانوں کی ابتری کو برتری سے بدل دیا- دین سے بھاگنے والوں کو واپس اسلام میں لے آئے- مرتدوں سے دنیا خالی کی- ان سرکشوں نے جو زکوٰۃ روک لی تھی' ان سے وصول کی- جاہلوں پر حق واضح کیا- امانت رسولؐ ادا کی- اور ان ابتدائی ضروری کاموں سے فارغ ہوتے ہی اسلامی لشکروں کو سرزمین روم کی طرف دوڑا دیا کہ صلیب پرستوں کو ہدایت کریں- اور ایسے ہی جرار لشکر فارس کی طرف بھیجے کہ وہاں کے آتش کدے ٹھنڈے کریں- پس آپ کی سفارت کی برکت سے رب العالمین عالم نے ہر طرف فتح عطا فرمائی- کسریٰ اور قیصر خاک میں مل گئے- ان کے پرستار بھی غارت و برباد ہوئے ان کے خزانے راہ اللہ میں کام آئے- اور جو خبر اللہ کے رسول سلام اللہ علیہ دے گئے تھے' وہ پوری ہوئی- جو کسر رہ گئی تھی' وہ آپ کے وصی اور ولی شہید محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئی- کافروں اور منافقوں کی رگ ہمیشہ کے لئے کچل دی گئی- ان کے زور ڈھا دیئے گئے- اور مشرق و مغرب تک فاروقی سلطنت پھیل گئی- قریب و بعید سے بھرپور خزانے دربار فاروق میں آنے لگے- اور شرعی طور پر حکم الٰہی کے ماتحت مسلمانوں میں مجاہدین میں تقسیم ہونے لگے- اس پاک نفس پاک روح شہید کی شہادت کے بعد مہاجرین وانصار کے اجماع سے امر خلافت امیر المومنین شہید الدار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا- اس وقت اسلام اپنی اصلی شان سے ظہور پذیر تھا- اسلام کے لمبے اور زور آور ہاتھوں نے روئے زمین پر قبضہ جما لیا تھا- بندوں کی گردنیں اللہ کے سامنے خم ہو چکی تھیں- حجت اللہ ظاہر تھی کلمہ اللہ غالب تھا- شان عثمانؓ اپنا کام کرتی جاتی تھی- آج اس کو حلقہ بگوش کیا تو کل اس کو- یکے بعد دیگرے ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں زیر نگیں خلافت ہوئے- یہی تھا اس آیت کے پہلے جملے پر عمل کہ نزدیک کے کافروں سے جہاد کرو-

پھر فرماتا ہے کہ لڑائی میں انہیں تمہارا زور بازو معلوم ہو جائے- کامل مومن وہ ہے جو اپنے مومن بھائی سے تو نرمی برتے لیکن اپنے دشمن کافر پر سخت ہو- جیسے فرمان ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ الخ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا جو اس کے محبوب ہوں اور وہ بھی اس سے محبت رکھتے ہوں- مومنوں کے سامنے تو نرم ہوں اور کافروں پر ذی عزت ہوں- اسی طرح اور آیت میں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ والے آپس میں نرم دل ہیں- کافروں پر سخت ہیں ارشاد ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ یعنی اے نبیؐ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو- حدیث میں ہے کہ میں ضحوك ہوں یعنی اپنوں میں نرمی کرنے والا اور قتال ہوں یعنی دشمنان اللہ سے جہاد کرنے والا-

پھر فرماتا ہے کہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے- یعنی کافروں سے لڑو' بھروسہ اللہ پر رکھو اور یقین مانو کہ جب تم اس سے ڈرتے رہو گے' اس کی فرماں برداری کرتے رہو گے تو اس کی مدد و نصرت بھی تمہارے ساتھ رہے گی- دیکھ لو خیر کے تینوں زمانوں تک مسلمانوں کی یہی حالت رہی- دشمن تباہ حال اور مغلوب رہے- لیکن جب ان میں تقویٰ اور طاعت کم ہو گئی' فتنے فساد پڑ گئے' اختلاف اور خواہش پسندی شروع ہو گئی تو وہ بات نہ رہی' دشمنوں کی للچائی ہوئی نظریں ان کی طرف اٹھیں- وہ اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کھڑے ہوئے' ادھر کا رخ کیا لیکن پھر بھی مسلمان سلاطین آپس میں الجھے رہے- وہ ادھر ادھر سے نوالے لینے لگے- آخر دشمن اور بڑھے' سلطنتیں کچلنی شروع

کیں۔ ملک فتح کرنے شروع کئے۔ آہ! اکثر حصہ اسلامی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہی حکم اس سے پہلے تھا اور اس کے بعد بھی ہے۔ تاہم جو بادشاہ جس قدر اللہ ترس ہوا' اسی قدر اللہ کی مدد نے اس کا ساتھ دیا۔ اب بھی اللہ سے امید ہے اور دعا ہے کہ وہ پھر سے مسلمانوں کو غلبہ دے اور کافروں کی چوٹیاں ان کے ہاتھ میں دے دے۔ دنیا جہاں میں ان کا بول بالا ہو۔ اور پھر سے مشرق سے لے کر مغرب تک پرچم اسلام لہرانے لگے۔ وہ اللہ کریم وجواد ہے۔

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

جب کبھی کوئی سورت اتاری گئی تو بعض منافق کہتے ہیں کہ تم میں سے کسے اس نے ایمان میں بڑھا دیا؟ بات یہ ہے کہ ایمانداروں کو تو وہ ایمان میں بڑھا دیتی ہے اور وہ شاداں وفرحاں ہو جاتے ہیں ○ ہاں جن کے دلوں میں بیماری ہے' ان کی تو گندگی پر بندگی بڑھا دیتی ہے۔ وہ تو مرتے دم تک کافر ہی رہتے ہیں ○

فرمان الٰہی میں شک وشبہ کفر کا مرض ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۴-۱۲۵) قرآن کی کوئی سورت اتری اور منافقوں نے آپس میں کانا پھوسی شروع کی کہ بتاؤ اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کر دیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمانداروں کے ایمان تو اللہ کی آیتیں بڑھا دیتی ہیں۔ یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس پر کہ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اکثر ائمہ اور علما کا یہی مذہب ہے' سلف کا بھی اور خلف کا بھی۔ بلکہ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ہم اس مسئلے کو خوب تفصیل سے شرح بخاری کے شروع میں بیان کر آئے ہیں۔ ہاں جن کے دل پہلے ہی سے شک وشبہ کی بیماری میں ہیں' ان کی خرابی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے لیکن کافر تو اس سے اور بھی اپنا نقصان کر لیا کرتے ہیں۔ یہ ایمانداروں کے لئے ہدایت وشفا ہے اور بے ایمانوں کے تو کانوں میں بوجھ ہے۔ ان کی آنکھوں پر اندھاپا ہے۔ وہ تو بہت ہی فاصلے سے پکارے جا رہے ہیں۔ یہ بھی کتنی بڑی بدبختی ہے کہ دلوں کی ہدایت کی چیز بھی ان کی ضلالت وہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عمدہ غذا بھی بدمزاج کو موافق نہیں آتی۔

اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا‌ ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال دو ایک مرتبہ وہ بلاؤں میں ڈالے جاتے ہیں لیکن باوجود اس کے نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں ○ جہاں کوئی سی سورت نازل کی گئی اور ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا' کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے' پھر چپکے سے سرک گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی پھیر دیئے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے بالکل ہی خالی ہیں ○ لوگو تمہارے پاس تم میں سے ہی اللہ کے رسول آ گئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف بہت ہی دشوار گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کے خواہاں ہیں۔ جو مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں ○

عذاب سے دوچار ہونے کے بعد بھی منافق باز نہیں آتا: ☆☆ (آیت: ۱۲۶-۱۲۷) یہ منافق اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہر سال دو ایک دفعہ ضرور وہ کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی نہ انہیں اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ نصیب ہوتی ہے نہ آئندہ کے لئے عبرت ہوتی ہے۔ کبھی قحط سالی ہے' کبھی جنگ ہے' کبھی جھوٹی گپیں ہیں جن سے لوگ بے چین ہو رہے ہیں۔ فرمان رسولؐ ہے' کاموں میں سختی بڑھ رہی ہے۔ بخیلی عام ہو رہی ہے۔ ہر سال اپنے سے پہلے کے سال سے بدآ رہا ہے۔ جب کوئی سورت اترتی ہے' ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر حق سے پلٹ جاتے ہیں۔ نہ حق کو سمجھیں نہ مانیں۔ وعظ سے منہ پھیر لیں اور ایسے بھاگیں جیسے گدھا شیر سے۔ حق کو سنا اور دائیں بائیں کھسک گئے۔ ان کی اس بے ایمانی کا بدلہ یہی ہے کہ اللہ نے ان کے دل بھی حق سے گھما دیئے۔ ان کی کجی نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے۔ یہ بدلہ ہے اللہ کے خطاب کو بے پرواہی کر کے نہ سمجھنے کا' اس سے بھاگنے اور منہ موڑ لینے کا۔

رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۸-۱۲۹) مسلمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا احسان عظیم یاد دلا رہا ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے خود انہی میں سے ان کی ہی زبان میں اپنا رسول بھیجا۔ حضرت خلیل اللہ نے یہی دعا کی تھی۔ اسی کا بیان آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ الخ میں ہے۔ یہی حضرت جعفر بن ابوطالبؓ نے دربار نجاشی میں اور یہی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے دربار کسریٰ میں بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جس کا نسب ہمیں معلوم' جس کی عادت سے ہم واقف' جس کے آنے جانے کی ہمیں خبر' جس کی صداقت وامانت کے ہم خود شاہد ہیں۔ جاہلیت کی برائیوں میں سے کوئی برائی اللہ نے آپ کی ذات میں پیدا نہیں ہونے میں صحیح النسب ہوں۔ پھر اتنے نرم دل کہ امت کی تکلیفوں سے خود کانپ اٹھیں۔ آسان' نرم اور سادگی والا دین لے کر آئے ہیں۔ جو بہت آسان ہے۔ سہل ہے۔ کامل ہے اور اعلیٰ اور عمدہ ہے۔ وہ تمہاری ہدایت کے متمنی ہیں۔ وہ دنیوی اخروی نفع تمہیں پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ جو پرند اڑ کر نکلتا' اس کا علم بھی آپ ہمیں کر دیتے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی تمام چیزیں میں تم سے بیان کر چکا ہوں۔ آپ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کچھ حرام کیا ہے' وہ عنقریب تم پر ظاہر کر دینے والا ہے اور اس کی باز پرس قطعاً ہونے والی ہے۔ جس طرح پتنگے اور پروانے آگ پر گرتے ہیں' اس طرح تم بھی گر رہے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں۔ حضورؐ سوئے ہوئے ہیں جو دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک پاؤں کی طرف بیٹھتا ہے۔ ایک سرہانے۔ پھر پاؤں والا سرہانے والے سے کہتا ہے اس کی اور اس کی امت کی مثال بیان کرو۔ اس نے فرمایا' یہ مثال سمجھو کہ ایک قوم سفر میں ہے' ایک چٹیل میدان میں پہنچتی ہے جہاں ان کا سامان خوراک ختم ہو جاتا ہے۔ اب نہ تو آگے بڑھنے کی قوت' نہ پیچھے ہٹنے کی سکت۔ ایسے وقت ایک بھلا آدمی اچھے لباس والا ان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمہیں اس بیابان سے چھٹکارا دلا کر ایسی جگہ پہنچا سکتا ہوں جہاں تمہیں نتھرے ہوئے پانی کے لبالب حوض اور میووں کے لدے ہوئے درخت اور ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں ملیں بشرطیکہ تم میرے پیچھے ہو لو۔ انہوں نے اس کی بات کو مان لیا اور وہ انہیں ایسی ہی جگہ لے گیا۔ وہاں انہوں نے کھایا پیا اور خوب پھلے پھولے۔ اب اس نے کہا' دیکھو میں نے تمہیں اس بھوک پیاس سے نجات دلائی اور یہاں امن چین میں لایا۔ اب

ایک اور بات تم سے کہتا ہوں' وہ بھی مانو- اس سے آگے اس سے بھی بہتر جگہ ہے- وہاں کے حوض' وہاں کے میوے' وہاں کے کھیت اس سے بہت ہی اعلیٰ ہیں- ایک جماعت نے تو اسے سچا مانا اور ہاں کر لی- لیکن دوسرے گروہ نے اسی پر بس کر لیا اور اسکی تابعداری سے ہٹ گئے- (مسند احمد) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر درود و سلام بھیجے- آؤ ایک واقعہ آپؐ کی کمال شفقت کا سنو! ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خون بہا ادا کرنے کے لئے آپؐ سے امداد طلب کی- آپؐ نے اسے بہت کچھ دیا- پھر پوچھا- کیوں صاحب میں نے تم سے سلوک کیا؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں- اس سے کیا ہو گا؟- صحابہؓ بہت بگڑے- قریب تھا کہ اسے لپٹ جائیں کہ اتنا لینے پر بھی یہ ناشکری کرتا ہے؟ اور حضورؐ کے سوال کا ایسا غلط اور گستاخانہ جواب دیتا ہے- لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا- گھر پر تشریف لے گئے- وہیں اسے بلوا لیا- سارا واقعہ کہہ سنایا- پھر اسے اور بھی بہت کچھ دیا- پھر پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ اس نے کہا ہاں اب دل سے راضی ہوں- اللہ تعالیٰ آپ کو آپؐ کے اہل و عیال میں ہم سب کی طرف سے نیک بدلہ دے- آپؐ نے فرمایا' سنو تم آئے' تم نے مجھ سے مانگا' میں نے دیا' پھر میں نے تم سے پوچھا کہ خوش ہو؟ تو تم نے الٹا پلٹا جواب دیا جس سے میرے صحابی تم سے نالاں ہیں' اب میں نے پھر دے دلا کر تمہیں راضی کر لیا ہے- اب تم ان کے سامنے بھی اسی طرح اپنی رضامندی ظاہر کرنا جیسے اب تم نے میرے سامنے کی ہے تاکہ ان کا رنج بھی دور ہو جائے- اس نے کہا بہت اچھا-

چنانچہ جب وہ صحابہؓ کے مجمع میں آپؐ کے پاس آیا' آپؐ نے فرمایا' دیکھو یہ شخص آیا تھا' اس نے مجھ سے مانگا تھا' میں نے اسے دیا تھا' پھر اس سے پوچھا تھا تو اس نے ایسا جواب دیا تھا جو تمہیں ناگوار گزرا- میں نے اسے پھر اپنے گھر بلوایا اور زیادہ دیا- تو یہ خوش ہو گیا- کیوں بھئی اعرابی یہی بات ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ' اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے اہل و عیال اور قبیلے کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے- آپؐ نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا- جزاك الله' اس وقت آپؐ نے فرمایا' میری اور اس اعرابی کی مثال سنو جیسے وہ شخص جس کی اونٹنی بھاگ گئی' لوگ اس کے پکڑنے کو دوڑے' وہ ان سے بدک کر اور بھاگنے لگی- آخر اونٹنی والے نے کہا' لوگو تم ایک طرف ہٹ جاؤ- مجھے اور میری اونٹنی کو چھوڑ دو- اس کی خو خصلت سے میں واقف ہوں اور یہ میری ہی ہے- چنانچہ اس نے نرمی سے اسے بلانا شروع کیا- زمین سے گھاس پھونس توڑ کر اپنی مٹھی میں لے کر اسے دکھایا اور اپنی طرف بلایا- وہ آ گئی- اس نے اس کی نکیل تھام لی اور پالان و کجاوہ ڈال دیا سنو اس کے پہلی دفعہ کے بگڑنے پر اگر میں بھی تمہارا ساتھ دیتا تو یہ جہنمی بن جاتا- ابراہیم بن حکم بن ابان کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے- جیسے فرمان ہے کہ اے نبی مومنوں کے سامنے اپنا بازو پست رکھو- لوگ میری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں- تو ہمیشہ اپنا بھروسہ اللہ عزیز و رحیم پر رکھ-

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۷

تو اس پر بھی اگر یہ پھر جائیں تو اعلان کر دے کہ مجھے اللہ کافی ہے- اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میرا بھروسہ اسی پر ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ○

منحرفین شریعت سے آپ بے نیاز ہو جائیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۹) یہاں بھی فرماتا ہے' اگر یہ لوگ تیری شریعت سے منہ پھیر لیں تو تو کہہ دے کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میرا توکل اسی کی پاک ذات پر ہے-" جیسے فرمان ہے" مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے- اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں- تو اسی کو اپنا کارساز ٹھہرا- وہ رب عرش عظیم ہے- یعنی ہر چیز کا مالک و خالق وہی ہے-

عرش عظیم تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ آسمان وزمین اور کل کائنات بقدرت رب عرش تلے ہے۔ اس اللہ کا علم ہر چیز پر شامل ہے اور ہر چیز کو اپنے احاطے میں کئے ہوئے ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ ہر ایک کا کارساز ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں' سب سے آخری آیت قرآن کریم کی یہی ہے مروی ہے۔ کہ جب خلافت صدیقی میں قرآن کو جمع کیا تو کاتبوں کو حضرت ابی بن کعبؓ لکھواتے تھے۔ جب اس سے پہلے کی آیت لا یفقھون تک پہنچے تو کہنے لگے کہ یہی آخری آیت ہے۔ آپ نے فرمایا' نہیں' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو آیتیں اور پڑھوائی ہیں۔ پھر آپ نے ان دونوں آیتوں کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ قرآن کی آخری آیتیں یہ ہیں۔ پس ختم بھی اسی پر ہوا جس پر شروع ہوا تھا یعنی لا الہ الا اللہ پر۔ یہی وحی تمام نبیوں پر آتی رہی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرو۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان دونوں آیتوں کو لے کر آئے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ان سے گواہ طلب کیا' انہوں نے کہا گواہ کی تو مجھے خبر نہیں۔ ہاں سورہ برات کی یہ دو آخری آیتیں مجھے خود رسول ﷺ نے پڑھائی ہیں۔ اور مجھے خوب اچھی طرح حفظ ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے گواہی دی کہ میں نے بھی انہیں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یہ گواہی سن کر آپؓ نے فرمایا' اگر ان کے ساتھ تیسری آیت بھی ہوتی تو میں اسے علیحدہ سورت بنا لیتا۔ تم انہیں قرآن کی کسی سورت کے ساتھ لکھ لو۔ چنانچہ سورہ براۃ کے آخر میں یہ لکھ لی گئیں۔ پہلے یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی قرآن کے جمع کرنے کا مشورہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور بحکم خلیفہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اس جماعت میں حضرت عمرؓ بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے حضرت زیدؓ فرماتے ہیں' سورہ برات کا آخری حصہ میں نے خزیمہ بن ثابت یا ابو خزیمہ کے پاس پایا۔ یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ ایک جماعت صحابہ نے اس کا مذاکرہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو کیا جیسے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا تھا جب کہ ان کے سامنے اس کی ابتدائی بات کہی تھی۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص صبح شام حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم کو سات سات مرتبہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اسے اس کی تمام پریشانیوں سے نجات دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ خواہ صداقت سے پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو لیکن یہ زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی قسم کی ہے لیکن وہ بہت منکر ہے۔ واللہ اعلم۔ الحمد للہ سور برات کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ یونس

(تفسیر سورۂ یونس) سورہ بقرہ کے شروع میں حروف مقطعات کی بحث گذر چکی ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ میں ہوں اللہ دیکھنے والا نگہبان۔ ضحاک وغیرہ یہی کہتے ہیں۔ یہ آیتیں مضبوط اور روشن قرآن کی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں' حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں تورات اور زبور۔ قتادہؒ کہتے ہیں قرآن سے پہلے کی کتابیں۔ لیکن مجھے تو نہ اس قول کی کوئی توجیہ معلوم ہوتی ہے نہ مطلب۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ